فہرست مضمون نگاران معارف

جلد ۱۰۳

از جنوری ۱۹۶۹ء تا جون ۱۹۶۹ء

(بترتیب حروف تہجی)

شعراء

فہرست مضامینِ معارف

جلد ۱۰۳

جنوری ۱۹۶۹ء تا جون ۱۹۶۹ء

(بہ ترتیب حروف تہجی)

جلد ۱۰۳ ماہ شوال المکرم ۱۳۸۸ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۶۹ء عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

۱۲ر دسمبر ۱۹۶۸ء کو اتر پردیش کے گورنر جناب بی۔ گوپال ریڈی صاحب دارالمصنفین تشریف لائے اور اس کی ۱۳۸ مطبوعات اور معارف کی ۱۰۲ جلدوں کو خاص طور پر دیکھا، ان میں سے جن کے ترجمے فارسی، عربی، پشتو، ہندی، انگریزی اور تامل زبانوں میں ہوئے ہیں، ان کو دیکھ کر متاثر ہوئے، ازراہ کرم خود سے اس ادارہ کے دوامی رکن بننے کی خواہش ظاہر کی جس کے لیے یہ ادارہ اُن کا شکرگذار ہے۔ ان کی تشریف آوری کے موقع پر ان سے جو باتیں ہوئیں، ان سے ان کے ایک بیدار مغز، علم دوست، ہمدرد اور فراخ دل حاکم ہونے کا اندازہ ہوا، ہماری دلی تمنا ہے کہ اس ریاست میں ان کا دورِ حکومت ہر لحاظ سے مفید اور کارآمد ہو۔

۲۷ر دسمبر ۱۹۶۸ء کو حکومت ہند کی وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی بھی دارالمصنفین کو اپنی تشریف آوری سے نوازا، ان کے طوفانی دورہ کی وجہ سے ان کا قیام یہاں مختصر رہا لیکن انھوں نے بھی اس کے علمی کاموں سے پوری دلچسپی دکھائی، انھوں نے اپنے والد محترم پنڈت جواہر لال نہرو کی وہ تصویر بھی دیکھی جب وہ ۱۹۲۰ء میں دارالمصنفین میں معزز مہمان کی حیثیت سے مقیم ہوئے تھے، انکے دادا پنڈت موتی لال نہرو اور انکے والد بزرگوار جب کبھی اعظم گڈھ تشریف لائے تو انکی میزبانی یہی ادارہ کرتا رہا، پنڈت جواہر لال نہرو اس ادارہ کی میزبانی کا اعتراف آخر وقت تک کرتے رہے، شریمتی اندرا گاندھی نے یہاں آکر اپنے خاندانی تعلقات کی تجدید کی، ان کی آمد پر اعظم گڈھ کے جلسہ میں جو کثیر

مجمع ہوا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے والد محترم ہی کی طرح لوگوں کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔

۲۹ر دسمبر ۱۹۶۸ء کو حکومت ہند کے نائب وزیر قانون و اوقاف جناب یونس سلیم صاحب بھی دارالمصنفین آئے اور دن کا کھانا یہاں کے کارکنوں اور شہر کے معززین کے ساتھ کھایا، انھوں نے بھی یہاں کے علمی کاموں کو بڑی دلچسپی سے دیکھا، وہ جس اخلاق، یگانگت اور موانست سے یہاں کے کارکنوں سے ملے اس کا بڑا خوشگوار اثر چھوڑ گئے، اگر وہ سیاست اور حکومت کے کاموں میں لگے ہیں تو وہ ایک اچھے مسلمان ہوکر ایک اچھے ہندوستانی بھی ثابت ہونگے۔ ایک اچھا مسلمان ہی اچھا محب وطن ہوکر اچھا ہندوستانی بھی ہوسکتا ہے، اچھے مسلمان اور اچھے ہندوستانی ہونے میں کوئی تضاد نہیں ہے، جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ وہ پہلے ہندوستانی ہے پھر مسلمان ہے، وہ ارباب حکومت کو خوش کرکے انکو فریب میں مبتلا کرتا ہے۔ نام کا مسلمان کام کا ہندوستانی نہیں ہوسکتا، اس حقیقت کا احساس خود ہندوستان کے ارباب حکومت کو ہو جاتا ہے۔

دارالمصنفین کے خدمتگذاروں کو اس کا بڑا دکھ ہے کہ پاکستان کے بعض خود غرض ناشرین اس کی بعض مطبوعات کو اپنے لیے چھاپ کر اس کو بڑا نقصان پہنچا رہے ہیں، اطلاع ملی ہے کہ اسکی مطبوعات میں سے اقبال کامل، سیرۃ عائشہؓ، شعر الہند، گل رعنا اور سیرت عمر بن عبد العزیزؒ وغیرہ کو وہاں کے کچھ ناشرین اپنے ذاتی منافع کی خاطر چھاپ کر فروخت کر رہے ہیں، سیرۃ النبیؐ کے خلاصے بھی شائع ہوکر وہاں کے بازار میں بک رہے ہیں، ادارہ نے ہندوستان میں پاکستان کے ہائی کمشنر کی توجہ اس طرف دلائی ہے جنھوں نے اپنے ایک مراسلہ میں وعدہ کیا ہے کہ وہ اس کے انسداد کے لیے ضروری کارروائی کرینگے، پاکستان میں دارالمصنفین کے ہمدردوں سے بھی اپیل ہے کہ وہ اپنے اخلاقی دباؤ سے ایسے خود غرض ناشرین کو اس ادارہ کو نقصان پہنچانے سے باز رکھیں، یہ صحیح ہے کہ پاکستان کے بعض مصنفوں کی کتابیں بھی ہندوستان میں چھاپ لیجاتی ہیں لیکن دارالمصنفین جیسے

ادارہ کی مطبوعات کو چھاپکر فروخت کرنے کی نوعیت کچھ مختلف ہے، یہ صرف اپنی مطبوعات کی آمدنی ہی سے چل رہا ہے، اسکو کہیں سے کوئی بڑی سالانہ امداد نہیں ملتی، گذشتہ پچپن ۵۵ سال سے اسکے کارکن ایثار اور قربانی سے کام لیکر اس کی علمی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، اس کی مطبوعات کو چھاپ کر ذاتی فوائد اٹھانے کے معنے علوم و فنون کی خدمت کو نقصان پہنچانا ہے۔

ہندستان و پاکستان کے تجارتی کاروبار بند ہونے کی وجہ سے دارالمصنفین کی مطبوعات پاکستان کے بازاروں میں نہیں ملتی ہیں، بعض ناشرین اس سے بیجا فوائد اٹھاکر اسکی کتابیں چھاپ رہے ہیں، اس دستبرد کو روکنے کی خاطر اسکی کوشش کیجارہی ہے کہ قانونی طور پر دارالمصنفین کی مطبوعات کا اسٹاک وہاں کے بعض دیانتدار اور قابل اعتبار تاجروں کے پاس جمع ہو جائے، جن سے قیمت کی ادائیگی اس وقت کر لیجائیگی جب دونوں ملکوں میں مالی لین دین شروع ہو جائیگا جن خریداروں کو دارالمصنفین کی عام مطبوعات کی ضرورت ہو وہ شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور اور ابو معاویہ تاجر کتب ۱۴۱ وحید آباد کراچی سے حاصل کر سکتے ہیں، ان دونوں کے پاس ہماری مطبوعات کا پرانا اسٹاک ابھی موجود ہے۔

جناب پیر حسام الدین راشدی صاحب پاکستان کے مشہور مصنفوں میں ہیں، انکے تذکرۂ شعرائے کشمیر کی پہلی جلد پر معارف میں ریویو ہو چکا ہے، اب اسکی دو مزید جلدیں اقبال اکادمی سے شائع ہو کر موصول ہوئی ہیں، جنہیں حرف ح سے م تک کے فارسی میں کشمیری شعرا کے حالات اور انکی شاعری کے نمونے ہیں، ان دونوں جلدوں میں ترتیب مشہدی، حما، طغرائے عرفی شیرازی، علی ہمدانی، خواجہ عزیز، فیضی، قدسی، کلیم، گویا، ماہر اور منیر وغیرہ سے متعلق جو مواد جمع کیا گیا ہے، وہ خاص طور پر لائق مطالعہ ہے، فاضل مولف نے ان جلدوں کو اڈٹ کرنے میں یہ اہتمام کیا ہے کہ جتنے ممکن تذکرے ان کو حاصل ہو سکے ہیں ان سب کے اقتباسات شعرا کے حالات کے ضمن میں درج کر دیے ہیں، اس سے ان شعرا پر تحقیقات کرنے والوں کے لیے بڑی آسانی پیدا ہو گئی ہے۔ ان جلدوں کی اشاعت سے فارسی زبان کے سبک ہندی کے ذخیرے میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے، جس قابل ستائش محنت، کاوش اور جستجو سے یہ جلدیں اڈٹ کی گئی ہیں وہ تحقیقی کام کرنے والوں کیلئے مثالی نمونے ہیں، اسکی دو جلدیں ابھی اور شائع ہوں گی۔

مقالات

تہذیب کی تشکیلِ جدید

از

جناب مولانا محمد تقی صاحب امینی ناظم شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

(۵)

وضعی حالات کے بارے میں روسو کے تاثرات

(۲) وضعی حالات (جو مذکورہ حجابات کا نتیجہ ہوتے ہیں) کے بارے میں "روسو" نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔

اگرچہ اس کے خیالات تکوین و تشکیل کے کسی مرحلہ میں تہذیب کا جزء نہ بن سکے لیکن مغربی تہذیب میں وہ پہلا شخص ہے جس نے بحرانی دور میں فلسفۂ تنویر اور وضعی حالات دونوں کا تنقیدی جائزہ لیا اور ایک گہری اساس نمایاں کر کے تقریباً ہر جگہ انسانی فطرت اور موجودہ تہذیب کا تضاد ثابت کیا ہے، چنانچہ جدید معاشرت کے بارے میں اس کے خیالات یہ ہیں:-

> روح اور جسم کی ضروریات جداگانہ ہیں، جسمانی ضروریات سوسائٹی کی بنیاد ہیں اور روحانی ضروریات اس کا زیور ہیں۔ (مقالات روسو، ص ۱۴)

> معاشرت جدید میں مصنوعی محاسنِ اخلاق کی نمائش ہے، اور اصلی مکارم اخلاق کا فقدان ہے۔ (ایضاً ص ۱۵)

اس سے پہلے کہ تصنع نے ہمارے اطوار کو اپنے سانچے میں ڈھالا اور ہمارے جذبات کو بناوٹی بولی سکھائی، ہمارے اخلاق اگرچہ ناہموار تھے لیکن فطری اور سچے تھے۔ (ایضاً ص ۱۶)

بہت سے معائب ہیں جن کو محاسن اخلاق کا مرتبہ دیا جاتا ہے، اور جن کو اختیار کرنا یا کم از کم ظاہر داری کے طور پر برتنا ضروری سمجھ لیا گیا ہے۔" (ایضاً ص ۱۸)

علوم و فنون کی ترقی کے بارے میں لکھتا ہے:-

جس قدر علم و فن میں ترقی ہوئی اسی قدر اخلاق بگڑتے اور گندے ہوتے گئے، جب علم و ادب کی روشنی انسانی افق پر نمودار ہوئی تو نیکی پرواز کر گئی ہے، اور یہ تماشہ بلا استثناء ہر ملک اور ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے۔" (ایضاً ص ۱۶)

علوم کا وجود جس قدر اپنے اغراض کے لحاظ سے عبث ہوتا ہے، اس سے کہیں زیادہ اپنے نتائج کے لحاظ سے خطرناک ہے۔" (ایضاً ص ۳۲)

علوم و فنون کی ترقی نے ہماری حقیقی مسرت میں کچھ اضافہ نہیں کیا ہے بلکہ ہمارے اخلاق کو خراب کر دیا ہے اور ہمارے مذاق سلیم کو بگاڑ دیا ہے۔" (ایضاً ص ۴۸)

انسان کے متعلق آج یہ سوال نہیں ہوتا کہ وہ ایماندار ہے یا نہیں بلکہ سوال یہ ہوتا ہے کہ وہ چالاک ہے یا نہیں۔" (ایضاً ص ۴۴)

نیکی کے بارے میں خیالات | نیکی کے بارے میں لکھتا ہے:-

نیکی روحانی توانائی کا نام ہے اور ہر طرح کی آزمایش و زیبایش اس کی اصلیت سے دور ہے، ایماندار ایک پہلوان ہے جو کشتی لڑتے وقت برہنگی کو پسند کرتا ہے اور قیمتی لباس (جس کا مقصد کسی جسمانی عیب کو چھپانا ہوتا ہے) کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے کہ وہ آزادانہ داؤ پیچ کرنے میں حارج ہوتا ہے۔" (ایضاً ص ۱۶)

اے نیکی! تو جو سادہ لوحوں کے واسطے اعلیٰ ترین علم ہے، کیا تجھ سے واقف ہونے کے لیے بھی کسی ریاضت و مشقت کی ضرورت ہے؟ کیا تیرے سادہ اصول ہر قلب پر کندہ نہیں ہیں؟ تیرے قوانین جاننے کے لیے سوائے اس کے اور کیا درکار ہے کہ ہم اپنا احتساب کریں اور جذبات کو خاموش کر کے ضمیر کی آواز کان دے کر سنیں، یہ وہ سچا فلسفہ ہے جو ہم کو قناعت کی تعلیم دیتا ہے۔ (مقالات روسو، ص ۱۵)

مذہب کے بارے میں خیالات | مذہب کے بارے میں لکھتا ہے:-

خارج سے مذہبی خیالات بچہ کے دل میں نہ ڈالنے چاہئیں، اس کے قلب کو اپنی حاجت کے تحت اندر سے اپنا مذہب پیدا کرنا چاہیے۔ (تاریخ فلسفۂ جدید، ص ۵۰۴)

ایک دوست کو خط میں لکھتا ہے کہ

ایمان کا سرچشمہ باطنی ہے، وہ قدرت پر اس لیے ایمان نہیں لاتا کہ دنیا میں ہر شے اچھی ہے بلکہ ہر شے میں اس کو کچھ نہ کچھ خوبی اس لیے نظر آتی ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے۔ (ایضاً)

روسو اصلاً مذہب فطرت کا قائل ہے (جس کی تفصیل اوپر گذر چکی) اس کا خیال ہے کہ اگر لوگ اپنے قلوب کی ہدایات قبول کرتے تو مذہبِ فطرت کے علاوہ اور کوئی دوسرا مذہب نہ ہوتا۔

لیکن قلوب کو قابل ہدایات بنانے اور ہدایات کو وضعی حالات کے غلبہ سے بچانے کے لیے کیا تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں، ان سے اس کی تعلیمات خاموش ہیں۔

یہاں روسو کے افکار و نظریات کی تفصیل اور ان پر تبصرہ مقصود نہیں ہے بلکہ دکھانا صرف اس قدر ہے کہ مغرب کے اس مشہور و عظیم مفکر کے نزدیک یہی وضعی حالات ہیں جن کے غلبہ سے قلب کی اصل آواز دب جاتی یا اس کی صحت کی ضمانت نہیں رہتی ہے۔[1]

---

[1] تفصیل و تبصرہ کے لیے ملاحظہ ہو حکایت فلسفہ ول ڈوران پی، ایچ ڈی اور لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر

وحی کی تعریف

(۳) وحی۔ مادیت کے لیے غیر مادی ذرائعِ علم کا انتہائی مقام ہے، جس کے بارے میں اہل علم کی تصریحات درجۂ ذیل ہیں :۔

والوحی شرعا کلام اللہ تعالیٰ	شریعت میں وحی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے
المنزل علی نبی من انبیائہ[۱]	جو اس کے نبیوں میں سے کسی نبی پر اتارا گیا ہو

دوسری جگہ ہے :۔

انہ اعلام اللہ تعالیٰ لنبی من	وحی نبیوں میں سے کسی نبی کو اللہ تعالیٰ کا
انبیائہ بحکم شرعی ونحوہ[۲]	کسی حکم شرعی یا اس کے مثل کی خبر دینا

آخری وحی کے بارے میں ہے :۔

ان القرآن ما کان لفظہ ومعناہ	قرآن وہ ہے جس کے الفاظ و معانی
من عند اللہ بوحی جلی[۳]	وحی جلی کی شکل میں اللہ کیجانب سے ہیں

مقام وحی کا نام شعور نبوت ہے

مقام وحی کا نام شعور نبوت ہے جس کے کئی درجے ہیں اور ہر درجہ کی وحی اپنے وقت اور ضرورت کے لحاظ سے کامل تھی، قرآن میں ہے :

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى	یہ اللہ کے رسول جن میں ہم نے بعض کو بعض پر
بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ	فضیلت دی ان میں سے بعض اللہ کی
بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ	ہمکلامی سے مشرف ہوئے اور بعض کو
(بقرہ - ۳۳)	دوسرے درجوں سے سرفراز کیا۔
ثم آتینا موسی الکتب تماما علی (انعام ۲۰)	پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی جو نیکی والے پر
الذی احسن وتفصیلا لکل شیء	پورا فضل ہو اور جس میں ہر چیز کی تفصیل ہے

---

[۱] اقرب الموارد والوحی [۲] الوحی المحمدی الفصل الاول رشید رضا مصری [۳] کلیات ابی البقار از علوم الحدیث ڈاکٹر صبحی الصالح۔

وَآتَيْنٰهُ الْاِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى	ہم نے عیسیٰ کو انجیل دی جس میں ہدایت
وَّنُورٌ (مائدہ - ۷)	تھی اور نور تھا۔

آخری درجہ کا نام ختم نبوت ہے

شعور نبوت کے آخری درجہ کا نام ختم نبوت ہے جو ارتقائے انسانیت کی آخری سرحد پر واقع ہے۔ اور جب یہ شعور کمال کی انتہا پر پہنچ گیا ہے، قرآن حکیم میں ہے :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ	محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے مردوں میں کسی
رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ	کے باپ نہیں ہیں، لیکن اللہ کے رسول ہیں
وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب - ۵)	اور سب نبیوں کے ختم پر ہیں۔
اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ	آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ	کو کامل کر دیا اور تمھارے لیے اپنی نعمت
لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِينًا	پوری کر دی اور تمھارے لیے دین اسلام
(مائدہ - ۱)	کو پسند کیا۔

شعور نبوت کی خصوصیات

شعور نبوت کی بہت سی خصوصیات ہیں جن کی بنا پر عقل و قلب دونوں پر اس کو فوقیت حاصل ہے، مثلاً وہ

(۱) حریم خاص کا دروازہ کھولتا اور تجلی ذات (نہ صرف اسماء و صفات) کے عکس کو جذب کرتا ہے

(۲) نور آفتاب میں اسکی پرورش ہوتی اور نورانی شعاعیں ہمہ وقت اسکے جلو میں رہتی ہیں،

(۳) قوت قدسیہ اور تجلیاتی شعور سے ہر وقت متصف رہتا ہے۔

(أ) قوت قدسیہ، خواہشاتِ نفس سے حفاظت کی بنا پر جو شعور کی بیداری اور روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔

(ب) تجلیاتی شعور، مشاہدۂ حق سے جو نور کی شعاع باطن پر پڑتی ہے باطن کے خواص د

اسرار کو روشن کر دیتی ہے۔

(۴) خارجی فیضان و ذاتی مشاہدہ کا ثمرہ ہوتا ہے نہ کہ داخلی شعور و خلقی وجدان کا نتیجہ۔

(۵) زندگی کے راز اور انسان کی سائنس سے واقف کراتا اور نیچرل کانسٹی ٹیوشن کے مطابق زندگی بسر کرنے کا طریقہ سکھاتا ہے۔

(۶) زمین کے محرم کو فلک کا رازدار بناتا اور وہاں کے قوانین کو یہاں معجزات کی شکل میں ظاہر کرتا ہے۔

معجزات دراصل دوسرے عالم کے قوانین اس عالم پر اثر انداز ہونے سے ظاہر ہوتے ہیں، اس عالم میں چونکہ اثر اندازی کے فلسفہ سے ناواقفیت ہوتی ہے، اس بنا پر معجزات کو عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے، ورنہ حقیقۃً نہ ان میں کوئی عجوبہ ہوتا ہے اور نہ وہ قانون قدرت کے خلاف ہوتے ہیں۔

(۷) عالم غیب سے براہ راست تعلق رکھتا ہے جو غیر متناہی علوم کا خزانہ اور ہر قسم کی آمیزشوں سے پاک ہے۔

(۸) غلطی اور سرکشی سے حال اور صورت میں محفوظ نیز اس سے حاصل شدہ قطعی و یقینی ہوتا ہے، وغیرہ

قرآن حکیم سے خصوصیات کا ثبوت | ان خصوصیات کا ثبوت حسب ذیل آیات سے ملتا ہے

اِنَّ علینا جمعَہٗ وقرآنہ فَاِذا	ہمارے ذمہ اس کا جمع کر دینا اور پڑھوا دینا ہے
قرأناہُ فاتبع قرآنہ	جب ہم اس کو پڑھا کریں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے۔
(قیامہ – ۱)	
ورتلنٰہ ترتیلا (فرقان – ۳)	ہم نے اس کو ترتیل کے ساتھ اتارا ہے۔

ورتل القرآن ترتیلا (مزمل – ۱)	قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھو

حضرت علیؓ سے ترتیل کی یہ تعریف منقول ہے،

ھو تجوید الحروف ومعرفۃ الوقوف	ترتیل حرفوں کی تجوید اور وقفوں کی معرفت کا نام ہے

تجوید اور وقف کی معرفت سے یہ مراد ہے کہ

ہر حرف کو معینہ مخرج اور اس کے صفات لازمہ کے ساتھ ادا کرنا اور ہر کلمہ کے بارے میں یہ جاننا کہ کس طرح اس پر وقف کرنے سے معنی کی خلاف ورزی نہیں لازم آتی ہے[۲]

ذالک الکتب لاریب فیہ (بقرہ – ۱)	اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے۔
اِنَّا نحن نزّلنا الذکر وانّا لہ لحافظون	ہم نے ہی قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کی
(حجر – ۱)	حفاظت کرنے والے ہیں۔
فاقم وجھک للدین حنیفا	آپ اپنے رخ کو اس دین کی طرف کر لیجئے
فطرۃ اللہ التی فطر الناس	جس میں کجی کا نام نہیں ہے، اللہ کی وہ فطرت
علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک	جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی پیدائش
الدین القیم ولکن اکثر الناس	میں کوئی تبدیلی نہیں ہے، یہ دین قیم ہے
لا یعلمون (روم – ۱)	لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں۔
سنریھم آیتنا فی الآفاق وفی	ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے
انفسھم حتی یتبین لھم انہ	نفس و آفاق میں یہاں تک کہ ان پر
الحق (حم سجدہ ۵ – ۶)	ظاہر ہو جائے کہ قرآن حق ہے۔
قل ما کنت بدعا من الرسل وما ادری	آپ کہہ دیجئے میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں مجھے نہیں
ما یفعل بی ولا بکم ان اتبع الا ما یوحی الی	معلوم کہ کل میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائیگا میں

(احقاف [illegible])

---

۱ زبدۃ ترتیل القرآن محمد صدیق افغانی ۲ ایضاً

فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (فاطر-۴۳)	آپ اللہ کی سنت کو بدلتا ہوا نہ پائیں گے۔
ذلک من انباء الغیب نوحیہ الیک (آل عمران)	یہ غیب کی خبریں ہیں جنکی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔
فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول (جن)	اللہ تعالیٰ غیب کو اپنے برگزیدہ پیغمبر کے سوا اور کسی پر ظاہر نہیں کرتا۔
ما کذب الفؤاد ما رای (نجم-۱۰)	قلب نے اس میں کوئی غلطی نہیں کی جو اس نے دیکھا۔
مازاغ البصر وما طغی (ایضاً)	نہ نگاہ نے کجی اختیار کی اور نہ سرکشی کی۔
ولئن اتبعت اھواءھم من بعد	اگر آپ انکی خواہشات کی پیروی کریں گے تو
ما جاءک من العلم انک اذاً	بعد اس کے کہ آپکے پاس علم و یقین کی روشنی
لمن الظلمین	آچکی ہے تو آپ اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں
(بقرہ - ۱۴)	میں ہوں گے۔

شعور نبوت کی مخاطبت و رویت میں اولیاء شریک نہیں ہیں

شعور نبوت کی مخاطبت و رویت انبیاء علیہم السلام کے لیے خاص ہے۔ اولیاء اس میں شریک نہیں ہیں۔ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں:

ولا یتصور ان الولی یعطی	اس بات کا تصور نہیں کیا جاسکتا کہ
ما اعطیہ النبی من المشاھدۃ	جس مخاطبت اور مشاہدہ سے انبیاء علیہم السلام
والمخاطبۃ (شرح العقیدۃ	سرفراز کیے جاتے ہیں اولیاء بھی سرفراز
الاصفہانیہ مطبوعہ کردستان العلمیہ ص۱۰)	کیے جاتے ہوں۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

ختم نبوت کی مخاطبت و رویت میں دوسرے پیغمبر و فرشتے شریک نہیں ہیں

اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس درجہ کی مخاطبت و رویت پر فائز تھے اس میں کوئی اور پیغمبر یا فرشتہ آپ کا شریک نہ تھا

ابن تیمیہ کہتے ہیں:

وافضل الاولیاء ابوبکر وعمر	اولیاء میں سب سے افضل ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ
وعثمان وعلی ونحوھم ولیس فی	علیؓ اور ان کے مثل ہیں۔ ان میں کوئی
ھؤلاء من شاھد بما یشاھدہ	ایسا نہیں جس نے وہ مشاہدہ کیا ہو جو
النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات
ولا شاھد الملئکۃ الذین کانوا	مشاہدہ کیا۔ نہ ان فرشتوں نے مشاہدہ کیا
ینزلون بالوحی علی النبی صلی اللہ	جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی
علیہ وسلم ولا سمع احد منھم کلام	لاتے تھے۔ نہ ان میں کسی نے اللہ کا وہ کلام
اللہ الذی کلمہ بہ نبیہ لیلۃ	سنا جو اس نے آنحضرتؐ سے معراج کی رات
المعراج ولا سمع عامۃ الانبیاء	کلام کیا۔ نہ دوسرے انبیاؑ نے وہ کلام
فضلا عن الاولیاء[۱]	سنا چہ جائیکہ اولیاء کا سننا۔

شیخ سعدیؒ نے شب معراج رسول اللہؐ اور جبریل امین کے درمیان یہ گفتگو نقل کی ہے:

چناں گرم در تیہ قربت براند — کہ در سدرہ جبریل ازو باز ماند
بدو گفت سالار بیت الحرام — کہ اے حامل وحی برتر خرام
چو در دوستی مخلصم یافتی — عنانم ز صحبت چرا تافتی
بگفتا فراتر مجالم نماند — بماندم کہ نیروے بالم نماند
اگر یکسر موئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم

کسی نے اس طرح فرق بیان کیا ہے

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات — تو ذات حق می نگرم در تبسمی

۱؎ شرح العقیدہ الاصفہانیہ، ص ۱۰۷

وحی شرعی خارجی وماورائی حقیقت ہے

در اصل وحی شرعی خلقی وجدان و داخلی شعور کا نتیجہ یا عقل و قلب کی ترقی یافتہ شکل نہیں ہے بلکہ خارجی وماورائی حقیقت اور علم و ادراک کی ایک جداگانہ نوع ہے جو ہر قسم کی آمیزش سے پاک اور مذکورہ طبعی و رسمی حجابات نیز وضعی حالات کے اثرات سے محفوظ ہے، جیساکہ قرآن حکیم کی درج ذیل آیات سے ظاہر ہوتا ہے:۔

وانه لتنزيل رب العٰلمين	یہ قرآن رب العٰلمین کا اتارا ہوا ہے
نزل به الروح الامين على	جس کو روح الامین نے آپ کے قلب
قلبك (شعراء - ۱۱)	پر اتارا۔

دوسری جگہ ہے:

ينزل الملئكة بالروح من امره	وہ فرشتوں کو الروح یعنی اپنا حکم (وحی)
على من يشاء من عباده	دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے
(نحل - ۱)	نازل کرتا ہے۔

تیسری جگہ ہے:۔

رفيع الدرجات ذو العرش	اللہ رفیع الدرجات اور عرش کا مالک ہے
يلقى الروح من امره على من	اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے الروح
يشاء من عباده (مومن - ۱)	یعنی اپنا حکم (وحی) ڈالتا ہے۔

ایک اور جگہ ہے:۔

قل من كان عدوا لجبريل فانه	آپ کہدیجئے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہے
نزله على قلبك باذن الله۔	تو جبریل ہی نے تو قرآن کو اللہ کے حکم سے
(بقرہ - ۱۱)	آپ کے دل پر اتارا ہے۔

روایتوں میں ابتدائے وحی کی یہ کیفیت منقول ہے۔

عن عائشة رضى الله عنها	حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
قالت اول ما بدئ به رسول الله	صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خواب
صلى الله عليه وسلم من الوحى الرؤيا	سے ہوئی، جو خواب بھی آپ رات کو دیکھتے
الصادقة فى النوم فكان لا يرى	دن میں بعینہ اس کے مطابق ظاہر ہوتا تھا،
رؤيا الا جاءت مثل فلق	پھر آپ کو تنہائی پسند آنے لگی اور کئی کئی دن
الصبح ثم حُبّب اليه الخلاء	کا گھر سے توشہ لیجا کر غار حرا میں عبادت
وكان يخلو بغار حراء فيتحنث	کرنے لگے، یہ سلسلہ کافی دنوں تک جاری رہا
فيه وهو التعبد الليالى ذوات	یہاں تک کہ حق نمودار ہوا اور غار حرا ہی
العدد قبل ان ينزع الى اهله	میں ایک فرشتہ نے آکر کہا اقراء (پڑھیے)
ويتزود لذلك ثم يرجع	آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں
الى خديجة فيتزود لمثلها	آپ کا ارشاد ہے کہ فرشتہ نے اس زور سے
حتى جاءه الحق وهو فى غار	مجھکو پکڑ کر دبایا کہ مجھکو تکلیف پہنچی، پھر چھوڑ دیا
حراء فجاءه الملك فقال اقرأ	اور کہا پڑھو، میں نے کہا میں پڑھا نہیں ہوں
فقال ما انا بقارئ قال فاخذنى	پھر اس نے زور سے بھینچا اور ویسے ہی
فغطنى حتى بلغ منى الجهد ثم	تکلیف ہوئی، اس طرح تین مرتبہ ہوا،
ارسلنى فقال اقراء فقلت	اس کے بعد اس نے کہا اقرأ بسم
ما انا بقارئ فاخذنى فغطنى	ربک الذی خلق خلق الانسان
الثانية حتى بلغ منى الجهد ثم	من علق اقراء وربک الاکرم

ارسلنی فقال اقرأ فقلت
ما انا بقارئ فاخذنی فغطنی
الثالثة حتی بلغ منی الجهد ثم
ارسلنی فقال اقرأ باسم
ربك الذی خلق خلق الانسان
من علق اقرأ وربك الاکرم
الذی علّم بالقلم علم الانسان
ما لم یعلم فرجع بها رسول الله
صلی الله علیه وسلم یرجف فؤاده
فدخل علی خدیجة فقال
زملونی زملونی فزملوه
حتی ذهب عنه الروع (بخاری ومسلم ومشکوٰۃ باب المبعث وبدء الوحی)

الذی علّم بالقلم علم الانسان
ما لم یعلم" اس کے بعد وہ غائب
ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اسی حالت میں مکان واپس تشریف لائے
کہ آپ کا دل کانپ رہا تھا، حضرت
خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھادو
کمبل اڑھادو۔ انھوں نے کمبل
اڑھادیا، یہاں تک کہ ہیبت زائل
ہوگئی۔

فلاسفہ و متکلمین کی تعبیرات میں وحی شرعی بھی حد تک داخلی قوتوں کا ثمرہ ہے

فلاسفہ و متکلمین نے اس خارجی وماورائی حقیقت (وحی) کو انسانی فہم سے قریب کرنے کے لیے جو تعبیرات اختیار کی ہیں، ان میں وحی کو بڑی حد تک داخلی شعور، خلقی وجدان کا نتیجہ یا عقل وقلب کی ترقی یافتہ شکل قرار دیا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل تصریحات سے ظاہر ہے۔

قدیم فلاسفہ کی تعبیر

قدیم فلاسفہ میں ارسطو اور اس کے شاگردوں نے اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کی، فارابی نے مختصر بحث کی ہے اور ابن سینا نے کئی مقامات پر تفصیلی گفتگو کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:۔

بل فیضان العلوم منه علی
لوح قلب النبی علیه السلام
بواسطة القلم النقاش
الذی یعبر عنه بالعقل الفعال
والملك المقرب هو کلامه
فالکلام عبارة عن العلوم
الخاصة بالنبی علیه السلام[1]

اللہ کے متکلم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کی
طرف سے قلم نقاش (عقل فعال یا مقرب
فرشتہ) کے ذریعہ رسول اللہ کے لوح قلب
پر علوم کا فیضان ہوتا ہے اس لحاظ
سے اللہ کا کلام ان علوم سے عبارت
ہے جو رسول اللہؐ کے ساتھ خاص ہیں۔

دوسری جگہ ہے:۔

"اللہ کے رسولؐ فرشتہ کے ذریعہ علم غیب حاصل کرتے ہیں اور قوت تخیل اس کو قبول کرکے مختلف حروف واشکال کا جامہ پہنا دیتی ہے، اس کے بعد نفس کی لوح جو اب تک خالی رہتی ہے اس میں یہ عبارتیں اور شکلیں منقش ہوجاتی ہیں، پھر ان سب کے اثر سے آپ منظوم ومرتب کلام سنتے اور ایک انسانی جسم کو دیکھتے تھے، اسی کا نام وحی ہے۔"[2]

یعنی اللہ کے رسولؐ کی لوح مبارک آئینہ کی طرح اس قدر صاف وشفاف ہوتی تھی، کہ اس میں نہ صرف معانی ومطالب منقش ہوتے تھے بلکہ القا کرنے والا بھی مصور ہوجاتا تھا پھر ان منقش معانی ومطالب کا ظہور کبھی عبرانی اور کبھی عربی زبان میں ہوتا تھا، اس طرح مصدر ایک تھا اور مظاہر متعدد تھے۔

ذیل کی عبارت سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے:۔

۱؎ الرسالة العرشیة حقیقة الوحی ابن سینا مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۲؎ ایضاً

واما الوحی والالہام فالنفس الناطقة اذا کانت قویة بحیث لم یمکن اشتغالها بالبدن مانعاً من الاتصال بالمبادی القدسیة فکانت المتخیلة قویة بحیث تقوی علی استخلاص الحس المشترک عن الحواس الظاهرة اتصلت حالة الیقظة بالعقول المجردة والنفوس السماویة وحصل لها ادراک المغیبات علی وجه کلی ثم المتخیلة تحاکیها بصورة جزئیة مناسبة لها وتنزل الی الحس المشترک فتصیر مشاهدة محسوسة وقد یعرض لبعضهم ان یسمع کلاما منظوما او یشاهد منظراً بهیا یخاطب بکلام منظوم فیما یتعلق باحواله واحوال مایقرب منه[1]

وحی اور الہام کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ جب اس قدر قوی ہوتا ہے کہ بدن کے ساتھ اس کا مشغول ہونا مبادی قدسیہ سے اتصال میں مانع نہیں ہوتا، نیز قوت متخیلہ اسقدر قوی ہوتی ہے کہ حس مشترک کو حواس ظاہری سے نجات دے سکتی ہے تو نفس ناطقہ بیداری کی حالت میں عقول مجردہ اور نفوس سماویہ سے متصل ہو جاتا ہے اور اس کو غیب کی باتوں کا ادراک کلی طور پر حاصل ہونے لگتا ہے، پھر قوت متخیلہ مناسب جزئی صورت کے ساتھ غیبی باتوں کی حکایت کرتی ہے جو حس مشترک میں اتر کر مشاہد اور محسوس ہو جاتی ہے، اور کبھی بعض حضرات منظم کلام سنتے ہیں یا کوئی خوبصورت منظر دیکھتے ہیں جو منظم و مرتب کلام کے ساتھ مخاطب ہوتا ہے یہ تخاطب ان کے احوال اور ان چیزوں کے احوال سے تعلق رکھتا ہے جو ان سے قریب ہوتی ہیں۔

۱؎ مقاصد المراصد از وحی الٰہی

ابن مسکویہ نے کیفیت وحی پر تفصیلی گفتگو کے بعد انبیاء اور فلاسفہ کے درمیان یہ فرق بیان کیا ہے کہ

یہ دونوں (انبیاء و فلاسفہ) حقائق امور کے ادراک و صداقت میں متفق ہوتے ہیں لیکن فلسفی اسفل سے اعلیٰ کی جانب ترقی کر کے مشاہدہ کرتا ہے اور نبیؐ اعلیٰ سے اسفل کی طرف انحطاط کر کے مشاہدہ کرتا ہے، اس طرح فلاسفہ ترقی کر کے ادراک کرتے ہیں اور انبیاء انحطاط کر کے ادراک کرتے ہیں، مگر حقائق واحد ہوتے ہیں[1]۔

جدید فلاسفہ کی تعبیر جدید فلسفیوں میں برگسان وغیرہ نے وجدان کی رسائی جس حد تک تسلیم کی ہے اس کے پیش نظر بعض لوگوں نے وجدان کو وحی کا ماخذ تسلیم کیا ہے، جس کی بنا پر وحی کی یہ تعریف قرار پاتی ہے۔

ان الوحی الهام کان یفیض من نفس النبی الموحی الیه لا من الخارج[2]

وحی الہام ہے جس کا فیضان خارج سے نہیں بلکہ نبی کی نفس سے ہوتا ہے۔

دوسری جگہ ہے

ان منبع ذلک من نفسه ولیس فیه شیٔ جاء من عالم الغیب الذی یقال انه وراء عالم المادة والطبیعة الذی یعرفه جمیع الناس فان هذا الغیب شیٔ لم یثبت عندنا[3]

وحی کا سرچشمہ نبی کی ذات ہے، اس میں عالم غیب سے کوئی شے نہیں آتی اور وہ عالم غیب جس کو لوگ مادہ اور طبیعت سے ماوراء سمجھتے ہیں، اس کا وجود ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے۔

۱؎ الفوز الاصغر باب کیفیة الوحی ۲؎ الوحی المحمدی الفصل الثالث، رشید رضا مصری ۳؎ ایضاً

ابو البقاء نے بو علی سینا کے حوالہ سے قدیم فلسفیانہ تعبیر کی تلخیص جس طرح کی ہے وہ جدید فلسفیانہ تعبیر پر بڑی حد تک صادق آتی ہے، چنانچہ وحی کے بارے میں وہ کہتے ہیں :-

فنحن نری الاشیاء بواسطة	ہم حس کے واسطہ سے چیزوں کو دیکھتے
الحس والنبی یری الاشیاء بواسطة	ہیں اور نبی قوائے باطنی کے واسطے
القوی الباطنیة ونحن نری	چیزوں کو دیکھتا ہے، ہم پہلے دیکھتے
ثم نعلم والنبی یعلم ثم یری[1] (الکلام)	ہیں پھر جانتے ہیں اور نبی پہلے جانتا ہے

(باقی)

ہماری نئی مطبوعات

مقالات سلیمان، جلد دوم :- (قیمت لعہ) یہ سلسلۂ مقالات مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری جلد ہے جس میں ہندوستان میں علم حدیث، محمد بن عمر الواقدی، عرب وامریکہ، اسلامی رصد خانے وغیرہ اہم مضامین ہیں۔

مقالات عبد السلام :- (قیمت عہ) مولانا عبد السلام ندوی صاحبِ شعر الہند کے چند ادبی و تنقیدی مضامین اور خطبوں کا مجموعہ،

تذکرۃ المحدثین :- (قیمت ہے ۵ پیسے) صاحب تصنیف محدثین کرام کے حالات و سوانح اور انکی خدماتِ حدیث کی تفصیل۔ اس میں سید صاحب کی حیاتِ امام مالک کی تلخیص اور امام بخاری والا مضمون بھی آگیا ہے، جو الندوہ کے دور اول میں شائع ہوا تھا اور جس کی داد وقت کے بڑے بڑے مصنفین اور اہل قلم نے دی تھی،

ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں :- حصہ اول، از سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے، قیمت صر

علامہ عینی اور عمدۃ القاری

از

مولوی حافظ محمد نعیم ندوی صدیقی رفیق دار المصنفین

صحیح بخاری کے شارحین میں ہر مسلک و مذہب کے ائمہ و فضلا شامل ہیں، جن میں سب سے زیادہ شہرت حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اور علامہ بدر الدین عینی حنفی کو حاصل ہوئی، یہ صحیح ہے کہ حافظ صاحب کی فتح الباری ان کی زندگی ہی میں قبولیت کے عروج پر پہنچ گئی تھی، لیکن علامہ عینی کی عمدۃ القاری بھی اپنی گوناگوں فنی و علمی خوبیوں کی بنا پر صحیح بخاری کی دیگر تمام شروح کے مقابلہ میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے، اور بعد میں بخاری کی جتنی بھی شروح لکھی گئیں وہ سب درحقیقت بنیادی طور پر ان ہی دونوں شرحوں کے محور کے گرد گردش کرتی ہیں،

یہ ایک افسوسناک واقعہ ہے کہ بعض تذکرہ نگاروں نے علامہ عینی کو حافظ ابن حجر کے مدمقابل کی حیثیت سے پیش کیا ہے، دونوں بزرگوں میں بعض معاصرانہ اختلافات ضرور تھے، لیکن علمی و نظری اختلافات کی نظیریں متقدمین میں بکثرت ملتی ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے علمی کمالات و فضائل کے بیحد معترف تھے اور غائبانہ طور پر عزت و تکریم کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر نے اپنے صاحبزادے محمد کو سند اجازہ مرحمت فرمانے کی علامہ عینی سے خواہش ظاہر کی تو انھوں نے اسے شرفِ قبول بخشا[1]، حافظ سخاوی کے بیان کے مطابق

[1] الفوائد البہیہ، ص ۸۶

ابو البقاء نے بو علی سینا کے حوالہ سے قدیم فلسفیانہ تعبیر کی تلخیص جس طرح کی ہے، وہ جدید فلسفیانہ تعبیر پر بڑی حد تک صادق آتی ہے، چنانچہ وحی کے بارے میں وہ کہتے ہیں :-

فنحن نری الاشیاء بواسطة	ہم حس کے واسطہ سے چیزوں کو دیکھتے
الحس والنبی یری الاشیاء بواسطة	ہیں اور نبی قوائے باطنی کے واسطے
القوی الباطنية ونحن نری	چیزوں کو دیکھتا ہے، ہم پہلے دیکھتے
ثم نعلم والنبی یعلم ثم یری[1] (الکلیات)	ہیں پھر جانتے ہیں اور نبی پہلے جانتا ہے پھر دیکھتا ہے۔

(باقی)

ہماری نئی مطبوعات

مقالات سلیمان، جلد دوم :- (قیمت لعہ/) یہ سلسلۂ مقالات مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری جلد ہے جس میں ہندوستان میں علم حدیث، محمد بن عمر الواقدی، عرب و امریکہ، اسلامی رصد خانے وغیرہ اہم مضامین ہیں۔

مقالات عبد السلام :- (قیمت عہ) مولانا عبد السلام ندوی صاحب شعر الہند کے چند ادبی و تنقیدی مضامین اور خطبوں کا مجموعہ۔

تذکرۃ المحدثین :- (قیمت ۵ روپے) صاحب تصنیف محدثین کرام کے حالات و سوانح اور انکی خدمات حدیث کی تفصیل۔ اس میں سید صباح الدین صاحب کا امام مالک کی تلخیص اور امام بخاری والا مضمون بھی آگیا ہے، جو الندوہ کے دور اول میں شائع ہوا تھا اور جس کی داد وقت کے بڑے بڑے مصنفین اور اہل قلم نے دی تھی۔

ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچی کہانیاں :- از سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے۔ حصہ اول قیمت صر

علامہ عینی اور عمدۃ القاری

از

مولوی حافظ محمد نعیم ندوی صدیقی رفیق دار المصنفین

صحیح بخاری کے شارحین میں ہر مسلک و مذہب کے ائمہ و فضلا شامل ہیں، جن میں سب سے زیادہ شہرت حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اور علامہ بدر الدین عینی حنفی کو حاصل ہوئی، یہ صحیح ہے کہ حافظ صاحب کی فتح الباری ان کی زندگی ہی میں قبولیت کے عروج پر پہنچ گئی تھی، لیکن علامہ عینی کی عمدۃ القاری بھی اپنی گوناگوں فنی و علمی خوبیوں کی بنا پر صحیح بخاری کی دیگر تمام شرح کے مقابلہ میں ممتاز حیثیت رکھتی ہے، اور بعد میں بخاری کی جتنی بھی شروح لکھی گئیں وہ سب درحقیقت بنیادی طور پر ان ہی دونوں شرحوں کے محور کے گرد گردش کرتی ہیں۔

یہ ایک افسوسناک واقعہ ہے کہ بعض تذکرہ نگاروں نے علامہ عینی کو حافظ ابن حجر کے مدمقابل کی حیثیت سے پیش کیا ہے، دونوں بزرگوں میں بعض معاصرانہ اختلافات ضرور تھے، لیکن علمی و نظری اختلافات کی نظیریں متقدمین میں بکثرت ملتی ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے کے علمی کمالات و فضائل کے بیحد معترف تھے اور غائبانہ طور پر عزت و تکریم کے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر نے اپنے صاحبزادے محمد کو سند اجازہ مرحمت فرمانے کی علامہ عینی سے خواہش ظاہر کی تو انھوں نے اسے شرف قبول بخشا[1]، حافظ سخاوی کے بیان کے مطابق

[1] الفوائد البهیة، ص ۸۶

حافظ ابن حجر نے عینی سے تین حدیثوں کی سماعت بھی کی، اسی طرح عینی نے اپنی بعض تصانیف میں حافظ سے استفادہ کیا تھا[1]۔

شافعی المسلک شارح بخاری (حافظ ابن حجر) کے حالات پیش کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بخاری کے حنفی شارح علامہ بدرالدین عینی کے حالات، فضل و کمال اور ممتاز تصانیف کا تعارف ہدیۂ ناظرین کیا جائے۔

نام و نسب محمود نام، ابوالثناء اور ابو محمود کنیت اور بدرالدین لقب تھا، پورا سلسلۂ نسب ملاحظہ ہو:-

محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود[2]، اپنے مولد عین تاب کی طرف منسوب ہو کر عینتابی کہلائے، خود فرماتے ہیں "کان ابی قد ولی قضاء عین تاب فنسب الیھا"[3] اسی کے مخفف عینی کی نسبت سے عام طور پر مشہور ہوئے[4]، حافظ سخاوی نے ایک دوسرے عینتابی فاضل کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ "ویخفف بالعینی"[5] عینتاب[6] حلب سے تین مراحل پر ایک بڑا اور خوبصورت شہر ہے، جہاں ایک مستحکم قلعہ بھی ہے[7]۔

---

[1] الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۴ [2] اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۵۵ و الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۱ و حسن المحاضرہ للسیوطی ج ۱ ص ۲۰۱ و شذرات الذہب ج ۷ ص ۲۸۷ [3] الفوائد البہیہ ص ۸۶ [4] الاعلام ج ۳ ص ۱۰۱۱ [5] الضوء اللامع ج ۵ ص ۱۲۸ [6] الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۵۹ [7] یاقوت حموی نے عین تاب کے متعلق لکھا ہے کہ قلعۃ حصینۃ و رستاق بین حلب و انطاکیہ ..... وھی الآن من اعمال حلب (معجم البلدان ج ۶ ص ۲۵۳) صاحب تقویم البلدان نے اس شہر کے متعلق مزید معلومات فراہم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "شہر عین تاب ایک خوبصورت اور بڑا شہر ہے جہاں چٹانوں کے درمیان بنا ہوا ایک مستحکم قلعہ بھی ہے، یہ شہر باغات اور نہروں سے معمور ہے۔ یہاں بڑے بڑے بازار ہیں، یہ شہر حلب سے شمالی سمت تین مراحل پر واقع ہے" (تقویم البلدان ص ۲۶۹) قاضی ابن شحنہ نے اپنی تاریخ میں اس شہر کا یوں ذکر کیا ہے "ھی قلعۃ حصینۃ علی جبل و لھا ربض و کور و نھر المساجور بھا" (الدر المنتخب فی تاریخ حلب ص ۱۱۵۷)

ولادت عین تاب بہت مردم خیز تھا، اس کی خاک سے علامہ بدر العنتابی (عینی کے شیخ) اور امام شہاب الدین العنتابی جیسے فضلاء اور اعیان کی ایک بڑی جماعت پیدا ہوئی، خود علامہ عینی کا خاندان علم و فضل میں بہت ممتاز مانا جاتا تھا، اسی مردم خیز خطہ میں قاضی القضاۃ علامہ عینی نے ۲۶ رمضان ۷۶۲ھ میں اپنی زندگی کا پہلا سانس لیا، ایک جگہ خود ہی فرماتے ہیں کہ

مولدی فی السادس والعشرین — میری ولادت ۲۶ رمضان ۷۶۲ھ
من شھر رمضان سنۃ اثنتین — کو ہوئی۔
وستین وسبعمائۃ[1]

حافظ ابن حجر نے المجمع المؤسس میں لکھا ہے کہ

محمود ابن احمد العینتابی — علامہ محمود بن احمد العینتابی نے مجھ سے
ذکر لی انہ ولد فی نصف رمضان — تذکرہ کیا تھا کہ ان کی ولادت وسط
سنۃ ۷۶۲ھ بحلب[2] — رمضان ۷۶۲ھ میں حلب میں ہوئی۔

ابتدائی حالات علامہ عینی کے والد عین تاب کے منصب قضاء پر فائز تھے، یہیں علامہ عینی نے نشو و نما پائی، اس عہد کے عام دستور کے مطابق سب سے پہلے قرآن پاک حفظ کیا، اور مختلف فنون کی کچھ کتابیں زبانی یاد کیں[3]، اس کے بعد تحصیل علم میں مشغول ہوئے، اور اپنے والد کے علاوہ عین تاب کے دیگر علماء سے کسب فیض کیا، چنانچہ شمس محمد الراعی سے صرف، منطق اور عربی زبان دانی کی تحصیل کی، علم الفرائض کو علامہ بدر العینتابی سے حاصل کیا، مفصل اور التوضیح کو ابن صائغ بغدادی سے اور المصباح فی النحو کو خیرالدین القصیر سے پڑھا،[4]

---

[1] اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۵۵ [2] الفوائد البہیہ ص ۸۶ [3] البدر الطالع ج ۲ ص ۲۹۴ [4] الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۱

ان کے علاوہ شیخ میکائیل احسام الرہاوی، ابن محمود السرباوی وغیرہ دوسرے علماء و مشائخ وقت سے نحو و صرف، منطق و اصول اور معانی و بیان وغیرہ پڑھے[۵]۔

تحصیل علم کے لیے سفر

عین تاب کے مقامی علماء سے فیض حاصل کرنے کے بعد ۷۸۳ھ میں حلب گئے اور وہاں علامہ جمال الدین ملطی اور شیخ حیدر الرومی وغیرہ مشاہیر علماء سے تفقہ حاصل کیا، اسی اثنا میں آپ کے والد ماجد کا رجب ۷۸۴ھ میں انتقال ہو گیا، اس کے بعد عینی نے مختلف ملکوں کا سفر کیا، اور ان کے علمی سرچشموں سے سیراب ہوئے، چنانچہ بھسنا[۲] میں شیخ ولی البہسنی، کختا[۳] میں شیخ علاء الدین اور ملطیہ[۴] میں شیخ بدر الکشافی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا[۵]،

---

[۱] البدر الطالع ج ۲ ص ۲۹۴ [۲] یہ نہروں اور باغات سے معمور ایک خوبصورت اور وسیع شہر ہے، اسکے شمال میں تقریباً دو یوم کی مسافت پر عین تاب واقع ہے (تقویم البلدان ص ۲۶۵) قاضی ابن شحنہ نے لکھا ہے کہ "یہ شہر آرمینیوں اور مسلمانوں کی آبادی پر مشتمل ہے، اس کا ذکر قدیم تاریخوں میں نہیں ملتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارمینوں ہی نے اسے بسایا تھا، اور ملک ارسلان نے ۵۴۵ھ میں فتح کیا تھا" (الدر المنتخب ص ۱۷۱)

[۳] کختا کا خوبصورت مقام حلب کے مضافات میں شمار کیا جاتا ہے جہاں ایک مستحکم قلعہ بھی پایا جاتا ہے (الدر المنتخب ص ۲۴۰)

[۴] ملطیہ بلاد روم کا ایک مشہور شہر ہے جسے اسکندر نے بسایا تھا، وہاں کی شہرۂ آفاق جامع مسجد صحابہ کرام نے تعمیر کی تھی، ملطیہ کی جانب رواۃ و محدثین کی ایک بڑی جماعت منسوب ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مردم خیز خطہ تھا (معجم البلدان ج ۸ ص ۱۵۱) —

صاحب تقویم نے مزید تعیین کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"یہ خوبصورت شہر سیواس کے جنوب میں تین مرحلہ پر کختا کے قریب واقع ہے"۔

(تقویم البلدان ص ۳۸۵)

[۵] البدر الطالع ج ۲ ص ۲۹۴

حصول تعلیم کے بعد حج بیت اللہ کے شرف سے مشرف ہوئے اور بیت المقدس کی زیارت کو تشریف لے گئے، وہاں خوش قسمتی سے علامہ سیرامی سے ملاقات ہو گئی، جو خود بھی قدس کی زیارت کے لیے آئے تھے، عینی ان کے تبحر علمی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ سیرامی کا مستقل ساتھ اختیار کر لیا اور ان ہی کے ہمراہ ۷۸۸ھ میں وارد قاہرہ ہوئے، اور مدرسہ ظاہریہ میں قیام کیا، سیرامی نے علامہ عینی کو اسی خانقاہ میں تدریس کی خدمت پر مامور کر دیا، اور وہ علامہ سیرامی کی وفات ۷۹۰ھ تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔

عینی نے سیرامی سے اپنی طویل مدت رفاقت میں بہت سے علوم میں مہارت حاصل کی، ابن تغری بردی رقمطراز ہیں:-

وقد انتفع به صاحب الترجمة	صاحب ترجمہ (علامہ عینی) نے سیرامی
واخذ عنه علوما كثيرة في	سے اپنی مدت صحبت کے دوران بکثرت
مدة ملازمته له[۱]	علوم حاصل کیے،

درس و افادہ

اپنے شیخ کی وفات کے بعد علامہ عینی نے مصر ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی، بعض حاسدوں کی شکایت پر امیر آخور نے آپ کو برقوقیہ کی خدمت سے علحدہ کر کے مصر سے نکل جانے کا حکم دیدیا، لیکن شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی نے درمیان میں پڑ کر صلح و صفائی کرا دی اور معاملہ رفت و گذشت ہو گیا۔

درسگاہ محمودیہ میں بھی ایک عرصہ تک فقہ کا درس دیا، اور موید کے زمانے میں خانقاہ مؤیدیہ میں بھی بہت دنوں تک قال رسول اللہ (صلعم) کے نغمے سنائے[۲]، اور قیام مصر کے زمانہ میں

---

[۱] المنہل الصافی بحوالہ اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۵۶ و نظم العقیان للسیوطی ص ۱۷۴ و شذرات الذہب ج ۷ ص ۲۸۷ و معجم المطبوعات ج ۲ ص ۱۳۰۳ [۲] روضات الجنات ج ۴ ص ۲۱۵ و الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۲

دور دراز ممالک کے تشنگانِ علم آپ کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے، علامہ شوکانی لکھتے ہیں کہ

استقر بالقاهرة ودرس فی مواطن منها[1]

وہ قاہرہ میں سکونت پذیر ہوگئے اور وہاں مختلف مقامات پر درس دیا۔

مختلف مسلکوں کے ائمہ آپ کے حلقۂ تلامذہ میں شامل تھے، حافظ سخاوی رقمطراز ہیں کہ

واخذ عنه الائمة من کل مذهب لطبقة بعد اخری بل اخذ عنه طبقة اهل الطبقة الثالثة وکنت ممن قرأ علیه اشیاء[2]

علامہ عینی سے یکے بعد دیگرے ہر مذہب کے ائمہ نے فیض حاصل کیا بلکہ ان سے طبقۂ ثالثہ کے شیوخ نے بھی کسب فیض کیا اور میں نے بھی ان سے کچھ چیزیں پڑھی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے بھی آپ سے تین احادیث کی سماعت کی تھی، اور آپ کے علمی کمالات کے معترف تھے، علامہ شوکانی لکھتے ہیں "انتفع به الناس واخذ عنه الطلبة من کل مذهب"[3]

علامہ عینی نے اپنی قیام گاہ کے پاس جامع ازہر کے قریب ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا، اور اس پر اپنا قیمتی کتب خانہ وقف کیا تھا[4]، صاحب معجم نے اس مدرسہ کا نام بدریہ لکھا ہے جو کہ محلہ کتامیہ میں علامہ کے مکان کے بالمقابل واقع تھا[5]، اس زمانہ میں آپ کے تبحر علمی کی شہرت چاردانگ عالم میں پھیل گئی، اور ہر سمت سے طالبان علم کا ہجوم استفادہ کے لیے امنڈ پڑا، ابن عماد حنبلی نے لکھا ہے کہ

اشتهر اسمه وبعد صیته وافتی ودرس حتی انه صار من اعیان

ان کا نام مشہور ہوگیا اور دور دور تک اس کی شہرت پہنچ گئی، انھوں نے درس و افتا کی خدمات

۱؎ البدر الطالع ج ۲ ص ۲۹۴ ۲؎ الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۳ ۳؎ البدر الطالع ج ۲ ص ۲۹۴
۴؎ روضات الجنات ج ۴ ص ۲۱۵ ۵؎ معجم المطبوعات ج ۲ ص ۱۴۰۳

الفقهاء الحنفیة[1]

انجام دیں حتی کہ وہ کبار فقہائے احناف میں شمار کیے جانے لگے

تبحر علمی اور جامعیت

آپ کو جملہ فنون میں پوری مہارت حاصل تھی، آپ کے تلمیذ رشید ابن تغری بردی (المتوفی ۸۷۴ھ) نے جو خود ایک نامور شیخ تھے، اپنے شیخ کے تبحر علمی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

کان بارعاً فی عدة علوم مفننا عالماً بالفقه والاصول والنحو والتصریف واللغة مشارکا فی غیرهم مشارکة حسنة اعجوبة فی التاریخ واسع الباع فی المعقول والمنقول...... قل ان یذکر علم الا ویشارک فیه مشارکة جیدة[2]

علامہ عینی متعدد علوم میں ماہر تھے، وہ ایک قانون ساز اور فقہ و اصول، نحو، صرف اور لغت کے فاضل تھے، ان کے علاوہ اور علوم میں بھی دستگاہ رکھتے تھے، بالخصوص تاریخ میں اعجوبۂ روزگار تھے، معقولات و منقولات میں ید طولیٰ حاصل تھا......... شاید ہی کوئی ایسا علم ہوگا جس میں وہ پوری مہارت نہ رکھتے ہوں۔

حافظ سخاوی رقمطراز ہیں کہ

وکان اماماً عالماً عارفاً بالصرف والعربیة وغیرها، حافظاً للتاریخ واللغة کثیر الاستعمال لها مشارکاً فی الفنون ذا نظم ونثر مقامه اجل منهما[3]

وہ امام، عالم اور صرف و عربیت وغیرہ کے ماہر تھے، تاریخ اور لغت کے حافظ اور بہت سے فنون کے جامع تھے، نظم و نثر دونوں میں ان کا مقام بہت بلند تھا

۱؎ شذرات ج ۷ ص ۲۸۷ ۲؎ المنهل الصافی بحوالہ اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۵۸ ۳؎ الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۳

مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں :-

له بسط فی تخریج الاحادیث	عینی کو تخریج احادیث اور ان کے معانی کی
وکشف معانیها وسعة نظر	وضاحت میں کامل عبور حاصل تھا،
فی الفنون کلها[1]	اور وہ تمام علوم پر وسیع نظر رکھتے تھے

ابن خطیب کا بیان ہے کہ "وهو امام عالم فاضل مشارك فی علوم"[2]

یہ بیانات علامہ عینی کے کمالات وجامعیت کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔

دوسرے کمالات علامہ عینی میں علمی کمالات کے ساتھ اور بھی کمالات تھے، بڑے زود قلم تھے، سرعت کتابت میں ان کی نظیر نہیں ملتی، حافظ ابن حجر کے متعلق بھی منقول ہے کہ بہت زود قلم تھے لیکن ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ حافظ ابن حجر تیز لکھنے کے ساتھ بہت بدخط تھے، ان کی تحریروں کو بہت مشکل سے پڑھا جاتا تھا، مگر علامہ عینی سریع الکتابت ہونے کے ساتھ بہت خوشنویس بھی تھے، حافظ سخاوی نے عینی کی سرعت کتابت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

انه کتب القدوری فی لیلة[3]	انھوں نے پوری قدوری ایک رات میں لکھ ڈالی۔

ابن امیر تغری بردی جنھیں عینی سے خصوصی تلمذ کا شرف حاصل ہے، رقمطراز ہیں کہ :-

کان جید الخط سریع الکتابة	وہ (عینی) بہت خوشخط اور زود قلم تھے،
قیل انه کتب کتاب القدوری	کہا جاتا ہے کہ انھوں نے فقہ کی کتاب قدوری
فی الفقه فی لیلة واحد	کو صرف ایک رات میں لکھا ......
.... وکانت مسوداته	اور ان کے مسودات بہت صاف ستھرے
مبیضات[4]	ہوتے تھے۔

۱؎ الفوائد البہیہ ص ۲۰۸ ۲؎ الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۳ ۳؎ ایضاً ۴؎ المنہل الصافی بحوالہ اعلام النبلاء ج ۵ ص

مقریزی کا بیان ہے کہ "انه کتب الحاوی فی لیلة"[1] - ان شواہد سے عینی کی غیر معمولی سرعت کتابت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے

عربی کے علاوہ ترکی زبان سے بھی پوری طرح واقف تھے، ملک اشرف برسبای جو آپ کا بیحد معتقد تھا، عینی اپنی عربی تاریخ پڑھ کر سناتے تھے اور ترکی زبان میں اسکی شرح بیان کرتے جاتے تھے[2]، ابن تغری بردی کا بیان ہے کہ ملک اشرف آپ کا بڑا قدردان تھا، اور آپ کی قرأت کو بہت پسند کرتا تھا[3]، صاحب المعجم لکھتے ہیں :

ارتفعت منزلته عند الملك	ملک اشرف کی نگاہ میں آپ کو بڑا مرتبہ
الاشرف بحیث کان یقرأ له	حاصل تھا، وہ اسے اپنی مرتبہ عربی تاریخ
التاریخ الذی جمعه باللغة	پڑھ کر سناتے تھے اور ترکی میں اس کی تفسیر
العربیة ویفسر له بالترکیة	کرتے تھے، چونکہ آپ کو دونوں زبانوں
لتقدمه فی اللغتین[4]	میں مہارت حاصل تھی،

ابن عماد حنبلی رقمطراز ہیں :-

کان فصیحا باللغتین العربیة	علامہ عینی عربی اور ترکی دونوں زبانوں
والترکیة[5]	میں ماہر اور فصیح اللسان تھے،

امراء سے تعلقات علامہ عینی کو اپنے وقت کے تقریباً تمام امراء اور اعیان سلطنت سے خصوصی تقرب حاصل تھا، وہ آپسے تعلق کو اپنے لیے باعث افتخار تصور کرتے تھے، گو اس دور کے ارباب دعوت وعزیمت اور علماء وفضلا کی ایک بڑی جماعت نے اعیانِ حکومت اور اصحاب دول

۱؎ الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۳ ۲؎ ایضاً ص ۱۳۲ ۳؎ المنہل الصافی بحوالہ اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۵۷
۴؎ معجم المطبوعات ج ۲ ص ۱۴۰۳ ۵؎ شذرات الذہب ج ۷ ص ۲۸۷

سے بے تعلقی اور بے اعتنائی کی ایسی شاندار مثالیں قائم کی ہیں جو ہر زمانہ میں دلیلِ راہ کا کام دیتی ہیں، لیکن عینی کا یہ بڑا کمال ہے کہ انھوں نے قعر دریا میں رہ کر نہ صرف اپنے دامن کو تر ہونے سے محفوظ رکھا، بلکہ ان اعیان حکومت کی اصلاح کی بھی کامیاب کوششیں کیں، اس لیے عینی کا امرا سے تقرب بھی درحقیقت دین کے لیے تھا، چنانچہ ملک اشرف کو جو آپ سے خصوصی تعلق رکھتا تھا، دین کی طرف متوجہ کرتے رہتے تھے، خود ملک اشرف کو اس کا اعتراف تھا کہ

لولاہ لکان فی اسلامنا شئ[1]
اگر عینی نہ ہوتے تو ہم لوگ پورے مسلمان نہ ہوتے۔

اور ابن تغری بردی رقمطراز ہیں کہ

وکان الملک الاشرف یسألہ عن دینہ وعما یحتاج الیہ من العبادات وغیرھا فکان العینی یجیبہ بعبارۃ تقرب من فھمہ ویحسن لہ الافعال الحسنۃ حتی لقد سمعت الاشرف فی بعض الاحیان یقول لولا العینی ما کنا مسلمین[2]

ملک اشرف عینی سے دینی امور اور عبادات وغیرہ کے سلسلہ میں جو سوالات کرتا تھا، علامہ عینی اس کو اس سہولت سے جواب دیتے جو اس کی سمجھ میں آسانی سے آجاتا اور وہ ان سے انتہائی حسن سلوک کرتا تھا، حتی کہ میں نے بعض وقت اشرف کو کہتے ہوئے خود سنا ہے کہ اگر علامہ عینی نہ ہوتے تو ہم پورے مسلمان نہ ہوتے،

اس بیان سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ شاہانِ وقت سے عینی کے روابط دینی فوائد سے خالی نہ تھے، اس سے حکمرانوں کی دینی اصلاح ہوتی تھی اور حکومت کے امور شریعت کے مطابق انجام پاتے تھے۔ اس طرح عینی کی ذات درحقیقت "جام شریعت" اور "سندان عشق" کے جامع تھی۔

---

[1] الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۲ [2] المنہل الصافی بحوالہ اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۵۷

منصب قضا اور دوسرے مناصب امراء اور سلاطینِ وقت سے ربط و تعلق کی بنا پر علامہ عینی مختلف اوقات میں مختلف منصبوں پر مامور ہوئے، چنانچہ ملک برقوق کے انتقال کے بعد شیخ مقریزی کی جگہ قاہرہ کے محکمۂ احتساب کے مسند نشین ہوئے،[1] مگر اس منصب پر آپ ایک سال سے زاید نہ رہے اور ۸۰۲ھ میں مقریزی کے لیے جگہ خالی کر کے علیحدہ ہو گئے،

اس کے بعد مختلف سنین میں کئی مرتبہ اس منصب پر عینی کا تقرر ہوا، حافظ سخاوی لکھتے ہیں

"وتکررت ولایتہ لھا"[2]

ابن تغری بردی بھی المنہل الصافی میں لکھتے ہیں:

وولایتہ لحسبۃ القاھرۃ یطول الشرح فیھا لانہ ولیھا غیر مرۃ[3]

عینی قاہرہ کے محکمۂ احتساب کے اتنی مرتبہ نگراں ہوئے کہ اس کا بیان موجب طوالت ہے، وہ بارہا اس منصب پر فائز ہوئے۔

دولت ناصریہ میں مختلف عہدوں پر فائز ہوئے، درسگاہ محمودیہ میں فقہ کا درس دیا، سلطان مؤید کے عہد میں اس کے خصوصی ہم جلیس تھے، اس نے آپ کو درسگاہ مؤیدیہ میں تدریس حدیث کی خدمت سپرد کی، اور جیل خانوں کا نگراں مقرر کیا، سلطان مؤید کو آپ پر اتنا اعتماد تھا کہ اس نے ایک مرتبہ آپ کو بلاد روم میں اپنا قاصد بنا کر بھیجا،[4]

دولت ناصریہ کے حکمرانوں میں ملک اشرف برسباری کو علامہ عینی سے بڑی عقیدت اور خاص تعلق تھا، وہ علمی و دینی استفادہ کے لیے خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور گھنٹوں دینی مسائل پر گفتگو کرتا تھا، ابن تغری بردی کا بیان ہے

---

[1] اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۵۶ [2] الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۲ [3] المنہل الصافی بحوالہ اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۵۶ [4] اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۵۶

وما کان ینادم الملک الاشرف	ملک اشرف خلوت میں عینی سے گفتگو کرتا اور
ویبیت عندہ فی بعض الاحیان[1]	بسا اوقات شب گذاری بھی ان ہی کیساتھ کرتا۔

عینی نے اپنی شہرۂ آفاق تاریخ اسے سبقاً سبقاً پڑھائی تھی، اس سے پہلے اس نے آپ کو اوقاف کا نگراں بنانا چاہا، مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر ۸۲۹ھ میں بڑے اصرار کے بعد قاضی زین الدین التفہنی کی جگہ مصر کے حنفی قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کیا۔[2]

صاحب المنہل رقمطراز ہیں:

فباشر المذکور وظیفۃ القضاء	عینی نے بادشاہ سے خصوصی تعلق کی بنا پر
بحرمۃ وافرۃ وعظمۃ زائدۃ	عہدۂ قضاء کی بڑی عظمت قائم کی،
لقربہ من الملک ولخصوصیتہ	اور بغیر کسی کوشش کے آپ کو
بہ ولکونہ ولی القضاء من	منصبِ قضاء حاصل ہوا۔
غیر سعی[3]	

چار سال تک منصب قضا کے فرائض ادا کرنے کے بعد اس سے علیحدگی اختیار کر لی، اور ۲۰ صفر ۸۳۳ھ میں قاضی تفہنی دوبارہ مسند نشین ہوئے، پھر ۸۳۵ھ میں تفہنی کے مرض الموت میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے اس منصب پر دوبارہ آپ کا تقرر ہوا۔[4]

علامہ عینی کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ وہ بیک وقت کئی کئی عہدوں پر فائز رہے، چنانچہ ملک اشرف ہی کے زمانے میں قضا کے علاوہ قاہرہ کے محکمۂ احتساب اور جیل کی نگرانی کی خدمت بھی ایک عرصہ تک انجام دی، حافظ سخاوی عینی کی اس خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

[1] اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۵۰ [2] حسن المحاضرہ للسیوطی ج ۲ ص ۱۱۰ و الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۲
[3] المنہل الصافی بحوالہ اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۵۰ و شذرات الذہب ج ۷ ص ۲۸۷ [4] حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۱۰

ولم یجتمع القضاء والحسبۃ و	عینی سے پہلے قضاء، احتساب اور جیل
نظر الاحباس فی آن واحد	کی نگرانی کے عہدے بیک وقت کسی
لاحد قبلہ[1]	ایک شخص میں مجتمع نہیں ہوئے،

اسی اثنا میں ملک اشرف کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا لڑکا ملک عزیز یوسف تخت نشین ہوا، وہ بھی اپنے باپ کی طرح بڑا لائق، دیندار اور عینی کے کمالات کا معترف تھا، اس لیے اس کے عہد میں بھی کچھ عرصہ تک قاضی القضاۃ کے منصب پر رہے، لیکن پھر ملک عزیز یوسف کے مشیر کار اور امور مملکت کے نگراں جقمق علائی نے محرم ۸۴۲ھ میں آپ کو معزول کر کے شیخ الاسلام سعد الدین الدیری کو آپ کی جگہ قاضی القضاۃ مقرر کر دیا۔[2]

وفات | اب عینی اپنی حیاتِ مستعار کے آخری مرحلہ میں پہنچ چکے تھے، انھوں نے نصف صدی سے بھی زیادہ علم و عمل اور فہم و دانش کے چراغ روشن کئے، عہدۂ قضا سے آخری علیحدگی کے بعد وہ خلوت گزیں ہو گئے تھے، اور اپنے مکان ہی پر تصنیف و تالیف کے مشغلہ میں لگے رہے،[3] مگر اس وقت بھی جیل کی نگرانی کا عہدہ ان کے سپرد تھا، ۸۵۳ھ میں یہ بھی ان سے لے لیا گیا،

اس عہدہ کے نکل جانے کے بعد کوئی ذریعۂ معاش نہیں رہ گیا، اور بڑی تنگدستی کا سامنا کرنا پڑا، اس لیے یہ علیحدگی علامہ عینی کو بڑی شاق گذری، صاحب المنہل کا بیان ہے "نعظم علیہ ذلک لقلۃ موجودہ"[4]

چنانچہ آخر عمر میں جائداد اور کتابیں فروخت کرنے کی نوبت آ گئی، حافظ سخاوی کا بیان ہے:

ولم یزل ملازما للجمع التصنیف	اور وہ اپنی موت تک برابر تصنیف و تالیف

[1] الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۳ [2] اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۵۰ و حسن المحاضرہ ج ۲ ص ۱۱۰ [3] البدر الطالع ج ۲ ص ۲۹۴ [4] المنہل الصافی بحوالہ اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۵۸

حتی مات بعد ان صار خصوصًا
میں مشغول رہے، مگر احباس کی نگرانی سے

بعد صرفہ عن نظر الاحباس
علیحدگی کے بعد املاک اور کتابوں کو

یبیع املاکہ وکتبہ سوی ما
فروخت کرنے کی تقریب آگئی، صرف وہ

وقفہ علی مدرستہ منہا وھو
کتابیں محفوظ رہیں جو انھوں نے مدرسہ پر وقف

شئ کثیر[1]
کی تھیں، یہ بھی بڑی تعداد میں تھیں،

اسی حالت میں ۴؍ ذی الحجہ یوم سہ شنبہ ۸۵۵ھ کو علم و عمل کا یہ خورشید درخشاں پون صدی سے زائد عرصہ تک دنیائے علم پر ضیا پاشی کرنے کے بعد غروب ہوگیا[2]، دوسرے دن جامع ازہر میں نماز جنازہ ادا کی گئی، اور قاہرہ میں اپنے قائم کردہ مدرسہ میں مدفون ہوئے، حافظ سخاوی لکھتے ہیں :-

عظم الاسف علی فقدہ ولم
عینی کی رحلت کا بڑا غم منایا گیا کیونکہ ان کے

یخلف بعدہ فی مجموعہ مثلہ[3]
بعد انکی جیسی جامع شخصیت نہیں پیدا ہوئی،

صاحب المنہل رقمطراز ہیں :

وکانت جنازتہ مشھودۃ
ان کے جنازہ میں بڑا اژدحام تھا اور

وکثر اسف الناس علیہ[4]
عوام نے انکی رحلت کا بڑا غم منایا۔

مشہور شاعر نواجی نے عینی کی منقبت میں حسب ذیل قطعہ کہا :-

لقد حزت یا قاضی القضاۃ مناقبًا
یقصر عنها منطقی و بیان

(اے قاضی القضاۃ آپ اتنے خصوصیات کے حامل تھے کہ اسکے بیان سے میری زبان قاصر ہے۔)

[1] الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۴، [2] حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۲۰۱ و البدر الطالع ج ۲ ص ۲۹۵
[3] الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۳ [4] المنہل الصافی بحوالہ اعلام النبلاء ج ۵ ص ۲۵۸

واثنی علیک شرقًا و غربًا
فلا زلت محمودًا بکل لسان[1]

اور آپ کی تعریف مشرق و مغرب کے ہر شخص نے کی اور ہر زبان آپ کی توصیف میں رطب اللسان تھی۔

شاعری عینی شعر و سخن سے بھی بہرۂ وافر رکھتے تھے، لیکن آپ کی اس حیثیت کو زیادہ فروغ حاصل نہ ہوسکا، اسی بنا پر تذکرہ نگاروں نے آپ کی شاعری کو کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے بہت ہی سرسری ذکر کیا ہے، حتی کہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ "بدر الدین عینی خود چنداں قدرت شعر نداشت[2]"۔ لیکن حافظ سخاوی کا بیان ہے کہ لہ نظم مقبول[3]"، یہ ضرور ہے کہ عینی کو شعر کے اسرار و رموز سے پوری واقفیت نہ تھی جس کی بنا پر وہ ذوق شعری کے باوجود بلیغ اشعار موزوں کرنے سے قاصر رہتے تھے، اور اسی وجہ سے ان کا کلام حسن قبول حاصل نہ کر سکا، ورنہ منظوم درر البحار الزاخرۃ ان کے قدرتِ شعری پر شاہد عدل ہے، عینی کے کلام کا عمومی رنگ یہ ہے :-

ذکرنا مدائح للنبی محمد
طربنا فلا عود سکرنا ولا کرم

فتلک مدامۃ یسوغ شرابها
ولیس یشوبها هم ولا الاثم[4]

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر نے عینی کی شاعری پر بہت تنقید کی ہے، اور ان کے مجموعہ کلام میں سے رکیک و بلا وزن اشعار منتخب کر کے ایک علیحدہ کتاب میں یکجا کر دیے ہیں، ایسے اشعار کی کل تعداد تنسو تک پہنچتی ہے، حافظ صاحب نے اس کتاب کا نام "قذی العین من نظم غراب البین" رکھا[5]۔

صاحب روضات نے بھی لکھا ہے کہ عینی اپنی نظم و نثر میں بہت غریب الاستعمال اور نامانوس الفاظ استعمال کرتے ہیں، مصنف مذکور نے اس قسم کی عبارت کا ایک نمونہ عینی کی تصنیف فرائد القلائد فی مختصر

[1] نظم العقیان للسیوطی ص ۱۴، [2] بستان المحدثین ص ۱۱۵، [3] الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۵ [4] ایضاً [5] بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ ص ۳۸۷

شرح الشواہد کے مقدمہ سے نقل کرکے لکھتے ہیں کہ "یہ کسی ماہر بلاغت اور نحوی کا کلام ہرگز نہیں ہوسکتا"۔[۱]

شیوخ و تلامذہ | عینی کو اپنی طویل ترین زندگی میں عین تاب، حلب، بہنا، کختا، ملطیہ، دمشق اور قاہرہ وغیرہ کے بے شمار علمی سرچشموں سے سیراب ہونے کا موقع ملا، اس لیے آپ کے شیوخ و اساتذہ کی قطعی تعداد کا تعین مشکل ہی نہیں محال ہے، جنکا پتہ چل سکا ہو ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

شیخ محمد الراعی، بدر محمود بن محمد العنتابی، جبرئیل بن صالح بغدادی، ذی النون، میکائیل، حسام الرہاوی، عیسیٰ بن خاص السرماوی، جمال یوسف الملطی، حمید الرومی، ولی البہنسی، علاء الدین، بدر الکشافی، احمد بن محمد السیرامی، شہاب احمد الترکی، بلقینی، تقی الاجوی، قطب عبد الکریم، شرف بن کویک، نور الفوی، تغری برمش، حافظ ہیثمی، ناصر الدین القرطی، نجم بن کشک الحنفی،[۲]

حافظ ابن حجر کا بیان ہے کہ "عینی نے بعض میرے شیوخ سے بھی استفادہ کیا"،

وقد سمع من بعض شیوخنا	عینی نے بعض میرے شیوخ مثلاً
کالشیخ زین الدین العراقی	شیخ عراقی اور شیخ تقی الدین
والشیخ تقی الدین۔[۳]	سے بھی سماعت کی۔

اسی طرح عینی کے تلامذہ کی تعداد بھی بہت زیادہ ہوگئی، کیونکہ انھوں نے مختلف درسگاہوں میں ایک طویل عرصہ تک علم کے دریا رواں کیے، لیکن افسوس ہے کہ تلامذہ کے نام تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں نہیں ملتے، صرف تین ناموں کا پتہ لگ سکا ہے اور وہ یہ ہیں: حافظ سخاوی، یوسف ابن تغری بردی، محمد بن احمد بن حسن العنتابی،[۴]

۱؎ ۔ وفات الجنات ج ۴ ص ۲۱۵ ۲؎ الضوء اللامع ج ۱۰ ص ۱۳۲ ۳؎ المجمع المؤسس بحوالہ الفوائد البہیہ ص ۲۰۸

۴؎ الضوء اللامع ج ۱ ص ۱۳۵

شعر کی ماہیت

از

جناب وقار احمد صاحب رضوی ایم اے

شعر انسان کی دانش ہے، وہ معارفِ انسانی کا ترجمان ہوتا ہے، اور معارفِ انسانی کا راز حقیقتوں کی میمونیت میں مضمر ہے،

شعر، عقل انسانی کی ایک حسی اور فنی تعبیر کا نام ہے، وہ دنیا سے بیزاری کا اعلان نہیں کرتا، بلکہ مسائل حیات سے بحث کرتا ہے، وہ عمل اور رد عمل کی آویزش ہے، اسکی فطرت spectrum (عکس) کی طرح نہیں جس میں ہمیشہ ایک ہی طرح کے رنگ مخصوص رتبہ اور مقدار میں پائے جاتے ہیں، اس کے تمتماتے ہوئے عارض ہیں، شاہد زیبا کی رعنائیاں، شعلوں کی لپٹ، اور ماہ و خورشید کی شعاعیں ہیں جن کو نظر دیکھ نہیں سکتی، اور زیادہ حساس ذریعوں سے محسوس کی جاسکتی ہیں، اس میں بوئے گل، نغمۂ رنگین اور شبنم کا گداز ہے، شعر کی دنیا حقیقت کی دنیا ہے۔ اس کا حسن ــ فطرت، ازل اور کائنات سے عبارت ہے،

شاعری، جذبات کی تصویر کشی کرتی ہے، وہ ایک ذوقی اور وجدانی چیز ہے، اس میں تغیر و تبدل کے امکانات ضروری نہیں، فلسفہ کا جو رشتہ دماغ سے ہے، شاعری کا وہی رشتہ دل سے ہے،

شعر کی صوری خصوصیات میں وزن نمایاں مرتبہ رکھتا ہے، شعر کی صوری حالت

وہ ہے جس کے ذریعہ مادہ یا جذبہ کو ظاہر کیا جاتا ہے، وہ چیزیں جن کے توسط سے جذبہ کو شعر کا لباس دیا جاتا ہے، وہ یہ ہیں:-

(۱) وزن (۲) قافیہ (۳) خیال (۴) زبان و اسلوب،

جذبات مواد شعر ہیں، خیال ـ شعر کی ظاہری شکل و صورت کی تزئین و صناعت کا وسیلہ ہے، اور وزن، قافیہ اور زبان اس صناعی کا ساز و سامان ہیں۔

وزن شعر کے اجزاء کو جوڑتا ہے، اور اس میں موسیقی پیدا کرتا ہے، خالص موسیقی ایک دقیق فن ہے، موسیقی کا عاطفہ سے تعلق یہ ہے کہ وزن جذبہ کی مرقع کشی کرتا ہے اور عاطفہ کو برانگیختہ کرنے کا کام لحن یا لے کا ہے بہ نسبت شعر اور اسلوب شعر کا تعلق، وزن موسیقی سے ہے، وزن موسیقی اور وزن شعری کے درمیان نفسیاتی مناسبت ہے، کیونکہ شعر کے لطیف ترین سانچوں میں ایک موسیقیت ہے، وزن سے الفاظ میں ایک خاص قسم کی موسیقیت اور لچک پیدا ہو جاتی ہے،

انفعالی یا عاطفی زبان مروج اور مرتب نہیں ہوتی، وہ پرسکون خلیج کے بجائے، سطح جوئے رواں کی مانند ہے، یا اس سمندر کی طرح ہے جو امواج پیہم سے متلاطم ہو،

انفعال نفسی ـ تاثر جسمانی کے بالکل مطابق ہوتا ہے، انفعال نفسی کا اثر، انفعال جسمانی پر پڑتا ہے، انفعال جسمانی جسم انسانی پر قابو پاتا ہے، اور انقباض و انبساط کی شکل میں اس پر اثر انداز ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان جب بھی کسی چیز سے متاثر ہوتا ہے، تو اس کے الفاظ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں، جیسے مفاعیلن مفاعیلن ـ اس کی زبان ترجیع والی بنجاتی ہے، اور اس میں موزونیت آجاتی ہے، انسان کے اسی انفعال نفسی کو وزن شعری کہتے ہیں،

وزن کی طرح قافیہ بھی شعر کے اجزائے ظاہری میں ہے، شعر میں قافیہ کا وہی رتبہ ہے

جو راگ میں تال کا۔ قافیہ شعر کی لفظی خوبی ہے۔ اوزان و قوافی، شعر کے لیے قالب مثال کی مانند ہیں۔ کسی عرب مفکر کا قول ہے:-

"الشعر کلام عُقِدَ بالقوافی"

شعر وہ کلام ہے جو قافیوں کی گرہ میں باندھا گیا ہو۔ ابن رشیق متوفی ۴۵۶ھ بھی قافیہ کی شرط کو ضروری تصور کرتا ہے۔ وہ جہاں وزن کو شعر کا رکن عظیم ٹھہراتا ہے، وہاں وہ یہ بھی کہتا ہے

"لا یسمیٰ شعراً حتی یکون له وزنٌ و قافیة"[۱]

شعر اس وقت تک شعر نہیں ہوتا جب تک کسی نہ کسی حد تک اسمیں قافیہ کی پابندی نہ ہو۔ ابن رشیق سے بہت پہلے قدامۃ بن جعفر متوفی ۳۳۷ھ نے شعر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

انه قول موزون مقفی یدل	شعر وہ کلام موزوں و مقفی ہے جو کسی
علی معنی والاسباب لمفردات	معنی پر دلالت کرے۔ وہ اسباب مفردات
التی یحیط بها حد الشعر وهی	یا اجزائے ترکیبی جن سے شعر مرکب ہوتا ہے
اللفظ والمعنی والوزن	وہ یہ ہیں: لفظ[۱]، معنی[۲]، وزن[۳]
والتقفیة۔[۲]	اور تقفیة[۴]۔

ان عناصر کے ساتھ ساتھ ارادہ یا نیت کی بھی قید ہے، اس سے وہ عبارتیں شعر کے حدود سے نکل جائیں گی جو موزوں و مقفی تو ہوں مگر ان میں ارادہ شامل نہ ہو۔ جیسے کلام مجید کی بعض آیات اور احادیث کہ وہ بلا ارادہ موزوں ہو گئی ہیں، ان پر شعر کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ قرآن بہر حال شعر نہیں، کلام منثور ہے۔

---

[۱] کتاب العمدہ: ۱/۹۹، نسخہ مصر، مطبوعہ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء۔ [۲] نقد الشعر ص ۵، ۱۱

ابن خلدون نے شعر کے بارے میں کہا ہے:-

هو الكلام الموزون المقفى	شعر ایک ایسا کلام موزون و مقفی ہے
ومعناه التي تكون اوزانه	جو معنی رکھے اور اس کے تمام اوزان
كلها على روي واحد وهو	ایک حرف روی پر مشتمل ہوں، حرف روی
القافية[1]	سے مراد قافیہ ہے۔

یہ شعر کی تعریف عروضی ہے۔ یہاں ابن خلدون نے امتیازاتِ شعری کو وزن و قافیہ میں محدود کیا ہے، جبکہ وزن و قافیہ حقیقت شعر کے لیے اجزائے ظاہری کی حیثیت رکھتے ہیں، اور شعر کو اس نظم سے جدا نہیں کرتے جس میں قواعد علمیہ کو منظوم کیا گیا ہو۔ جیسے علم نحو میں ابن مالک کی منظوم کتاب "الفیہ"۔ حالانکہ منظوم قاعدۂ نحوی یا نظمِ علمی شعر نہیں۔ اسی سبب سے ارسطو کے نزدیک ادبی شعر کے لیے خیال بھی ضروری ہے، ارسطو شاعری کو معنوی مصوری مانتا ہے۔ وہ جمال معنی اور حسن صنعت کا پیکر ہوتی ہے۔

شعر کی منطقی تعریف یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں خاص تاثر پیدا کرے۔ اہل منطق شعر کے معنوی پہلو کو سامنے رکھتے ہیں۔ اہل عروض۔ وزن و قافیہ یا شعر کی ظاہری تعریف و تحسین پر اکتفا کرتے ہیں۔ عروضیین کے نزدیک شعر میں وزن ضروری ہے، اور منطقیین کے نزدیک اثر ضروری ہے۔ عروضیین کلام موزون کو شعر کہتے ہیں، اور منطقیین شعر میں تاثیر و تاثر کے قائل ہیں۔ اس لحاظ سے اگر کوئی کلام موزوں ہو، مگر بے اثر ہو، تو وہ عروض کے اعتبار سے شعر ہوگا، لیکن منطقیات شعر نہیں کہے گی۔

جاحظ کے نزدیک یونانی فلسفہ و منطق کے اجارہ دار ہیں۔ ایرانی نقل و تقلید کے اور

[1] المقدمۃ: ص ۳۶۵، طبع مصر۔

ہندوستانی اخلاق و حکمت کے۔ لیکن جہاں تک نظم و نثر میں فصاحت و بلاغت کا تعلق ہے تو یہ صرف عربوں کا حصہ ہے، چنانچہ مشہور ہے: "الحمد لله الذي جعل لغة العرب افصح اللغات"۔

دراصل شاعری دراستِ ادبی کا اہم جزء ہے، اس میں ادبی ذوق، فکر کی گہرائی، جذبے کا ارتعاش اور انسانی اقدار کا بیان ہوتا ہے۔ شعر نام ہے الفاظ و معانی کے حسنِ مجسم کا۔ معانی، کلام کی روح ہیں، اور الفاظ معانی کا جسم ہیں۔

شعر فی حد ذاتہ شعور و جذبات کا نتیجہ ہوتا ہے، ابن رشیق نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے: "سموہ شعراً لانہم شعروا بہ[2]"۔

ورڈز ورتھ (Wordsworth) نے شعر کی تعریف میں کہا ہے: "شعر ایک ایسی حقیقت ہے جو جذبہ کی وساطت سے دل کی گہرائیوں تک پہنچتی ہے"، جذبہ شعر کا اہم ترین عنصر ہے، اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ جذبہ، شعر کی اساس اول ہے۔ اگر شعر میں جذبہ نہ ہو تو وہ اپنا فرض کھو بیٹھتا ہے۔ اور اپنے صحیح موقف سے ہٹ جاتا ہے، جذبہ اکثر حالتوں میں خیال کا محتاج ہوتا ہے، تاکہ وہ جذبہ کی عکاسی کرے اور اس (جذبہ) کو پڑھنے والوں کے ذہن تک پہنچا دے۔ یوں تو خیال ادب کے تمام شعبوں پر اثر انداز ہوتا ہے، مگر شعر کی تکوین اور اس کی شکل و صورت کے بنانے میں خیال کو بڑا دخل حاصل ہے، خیال، معانی کو جسم اور جذبہ کو فکر کا پیرہن عطا کرتا ہے، اور شعر میں افکار و معانی کو باہم مربوط کرتا ہے۔

شعر، فلسفہ و منطق کی جولانگاہ نہیں، اور نہ اصولی مباحث کو جگہ دینے کا محل ہے۔ اگر شعر میں کوئی اصولی بحث آ بھی جائے تو یہ ضروری نہیں کہ وہ آخر تک اس خیال کی ترجمانی بھی کرے، شعر ایک سچا آرٹ ہے جو جذبات کی تصویر کشی کرتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے "الشعر

[2] ایک جگہ یہ جملہ بھی ہے: "وانما سمي الشاعر شاعرا لانه يشعر بما لا يشعر له غيره"۔ العمدۃ: ۱/۱۰۴

كلام اجوده اشعره[۱]۔ "اچھا کلام وہ ہے جو شعریت سے معمور ہو۔"

ابن رشیق کا قول ہے:

والفلسفة وجر الاخبار باب آخر	فلسفہ اور واقعات کو بیان کرنا
غير الشعر فان وقع فيه شئ	ایک علیحدہ بات ہے۔ وہ شعر نہیں
منها فبقدر، ولا يجب ان	اگر شعر میں واقعات آبھی جائیں تو
يجعل نصب العين فيكونا	مختصر ہونے چاہئیں، فلسفہ و تاریخ
متكئا واستراحة، وانما الشعر	کو نصب العین نہیں بنانا چاہیے۔ شعر
ما اطرب وهزّ النفوس وحرك	ذہنی نشاط اور اہتزاز نفس کا ذریعہ ہے
الطباع فهذا هو باب الشعر	جو دلوں کو گرماتا ہے اور روح کو تڑپاتا
الذى وضع له وبنى	ہے۔ یہی شعر کا مقصد ہے اور اسی غرض
عليه لا ماسواه[۲]	سے اسکی تخلیق ہوئی ہے۔

شعر۔ حقائق، عقل و شعور اور اجتماعی افکار سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ حقائق شعر میں عاطفہ کی بنیاد و اساس ہوتے ہیں۔ جذبہ کی قوت اور اس کی صداقت کا انحصار ان ہی حقائق پر ہے۔ لیکن شعر مسائل زندگی اور حقائق حیات کو فنی طور پر پیش کرتا ہے، وہ فکر و شعور سے ہم آہنگ ہوتا ہے، شعر، عاطفہ کے ذریعہ تخیلی عقل سے بحث کرتا ہے، خالص عقل کی تعبیر نہیں کرتا، وہ منطقی براہین اور استدلالی انداز میں حقائق کی توجیہ و تشریح نہیں کرتا کیونکہ شعر عرضِ فنی ہے نہ کہ منطقی استدلال و علمی پیرایۂ بیان۔

کوئی چیز چار حالتوں سے خالی نہیں، یہی حال شعر کا ہے، شعر کی خارجی علت، ذات شاعر

[۱] اور یہ بھی کہا گیا ہے "الشعر شئ تجيش به صدورنا فتقذفه على السنتنا" "شعر وہ کلام ہے جو ہمارے سینوں سے جوش مار کر اٹھتا ہے اور زبانوں سے نکل پڑتا ہے۔" [۲] العمدة ۱/۱۰۳

جو شعر کا خالق ہوتا ہے۔ شعر کی علت غائی یعنی افادیت مقصد، اس کا مقصد سامع کو سرور و انبساط پہنچانا ہے، شعر کی داخلی علتیں دو ہیں۔ مادی عنصر، یہ عنصر عاطفہ ہے، جو فکر کا سہارا لیتا ہے۔ صوری حالت، اس میں عناصر اربعہ کے علاوہ خیال انگیز اسلوب بھی ہے۔

امرسن (Emerson) نے اسی بات کو سامنے رکھتے ہوئے کہا ہے کہ شعر خیال کی ترجمانی کو کہتے ہیں، شعر ایک ایسی حقیقتِ خالدہ ہے جو روحِ اشیاء کو تعبیر کا لباسِ دوام دیتی ہے۔ خیال اور تخیل میں لطیف فرق ہے۔ خیال میں واقعیت بھی ہوتی ہے اور تخیل میں نہیں ہوتی۔ کسی کا سر کسی کا پیر لیکر جوڑنا تخیل ہے۔ کلیات سے استنباطِ احکام اور مقدمات کی ترتیب سے استخراجِ نتائج تفکیر ہے۔ خیال و فکر، دماغی طاقتیں ہیں۔ یا خواصِ نفس، جو مادی عوارض سے مجرد ہوں۔ جذبہ و خیال کا باہمی تعلق یہ ہے کہ کوئی جذبہ خیال سے خالی نہیں ہوتا اور خیال اکثر جذبہ سے معرّی نہیں ہوتا۔

ابوالحسن قاضی جرجانی متوفی ۳۹۲ھ نے لکھا ہے۔

الشعر علم من علوم العرب	شعر علوم عرب میں سے ایک علم ہے طبعی
يشترك فيه الطبع والرواية	ذوق اور فطری موزونیت شعر کے لیے ضروری
والذكاء ثم تكون الدربة	ہے، دوسروں کے کلام کا یاد ہونا اور
مادة له وقوة لكل واحد	روشنی طبعی بھی شاعری کے عناصر ہیں۔
من اسبابه[۱]	پھر اسکے بعد مشق و ممارست کا درجہ ہے۔ یہی مشق دوسرے اسباب شاعری کے لیے طاقت کا سرچشمہ ہے

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی جرجانی نے شعر کو علم تسلیم کیا ہے۔ حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے

[۱] الوساطة بين المتنبى وخصومه: ص ۱۵

تو جو چیز شعر کے مقابل ہے وہ علم ہے۔ علم شعر کی ضد یا نقیض ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ علم موضوعی ہوتا ہے، یعنی واقع کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ زندگی کا مطالعہ اسی طرح کرتا ہے جس طرح واقع میں زندگی ہے۔ اس کے برعکس شعر ذاتی تاثر ہے، وہ زندگی کو شاعری کی آنکھ سے دیکھتا اور حیات و کائنات کی ترجمانی، شاعر کے نقطہ نگاہ سے کرتا ہے، شعر، شاعر کے شخصی تاثر کا حسین پرتو ہے۔ رسکن کا قول ہے کہ وہ اسباب جو تخیل کے ذریعہ شاعر کے ذہن پر منعکس ہوتے اور اسکے جذبہ و احساس کو برانگیختہ کرتے ہیں، اسی کیفیتِ عرضی کا نام شعر ہے۔ اس اعتبار سے لفظ و معنی کے مجموعہ کو شعر کہتے ہیں۔ کیونکہ اسباب لفظ بنتے ہیں اور خیال معنی کا درجہ حاصل کرتا ہے۔

ملٹن شعر کو تخیلی اور اثر انگیز مانتا ہے۔ اسی کے نزدیک خصوصیتِ شعر کا انحصار صوتِ شعری پر ہے۔ لیکن یہ قول صفاتِ شعری کا بیان ہے، شعر کی تعریف نہیں۔

ملٹن کی طرح گوئٹے بھی شعر کو فن تصور کرتے ہوئے شعر کے لیے Form کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔ وہ شعر کے بارے میں فنی قوتِ تعبیر، یا اسلوب کو وجہ امتیاز قرار دیتا ہے۔

میتھیو آرنلڈ کے نزدیک شعر، تنقید حیات ہے، وہ حقیقت جمال کے تصور کا حامی ہے اور حسن و اسلوب کو خصوصیات شعری میں شمار کرتا ہے۔

شاعری میں مجرد خیالات و افکار کا بیان ہوتا ہے۔ شاعر کی فطرت مجردات و افکار کی مصوری اس طرح کرتی ہے کہ خیال مجسم تصویر بن کر سامنے آجاتا ہے، اور ہم اس کو بدیہی طور پر محسوس کرنے لگتے ہیں۔ پھر ان مادی اشکال یا افکار و خیالات کو الفاظ کی ایسی موسیقی اور ترنم عطا کرتا ہے جو ان کی رونق اور چمک کو دوبالا کر دیتے ہیں۔

اسی لیے ناقدین نے شعر اور فنون جمیلہ کے درمیان ربط قائم کیا ہے اور شعر کا رشتہ

موسیقی سے بھی جوڑا ہے اور نقاشی اور مصوری سے بھی۔

علمائے بلاغت کے نزدیک کلام کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ کلام مطبوع : برجستہ کلام

۲۔ کلام مصنوع : جس میں تصنع اور بناوٹ سے کام لیا گیا ہو۔

اس سے قطع نظر کہ کلام مطبوع ہے یا مصنوع، شعر کی تین قسمیں ہیں:۔

۱۔ شعر قصصی ، رزمیہ ، Epic

۲۔ غنائی شاعری ، غزلیہ ، Lyric

۳۔ تمثیلی شاعری ، حکائی شاعری ، Dramatic

ان اقسام کی بنیاد اس تعلق پر ہے جو شاعر اور موضوع شعر کے درمیان ہوتا ہے یعنی موضوعِ شعر اگر داستان ہے تو قصصی شاعری ہوگی، اگر تغزل ہے تو اس کو غنائی شاعری کہیں گے۔

ان میں سے ہر قسم کی شاعری کے الگ الگ خصائص، ممیزات اور فنی مدارج ہیں۔

قصصی شاعری کا دار و مدار صرف سورماؤں کے قصوں، مافوق الفطرت عادات، شجاعت و بسالت اور لڑائیوں کے تذکروں پر ہی نہیں ہوتا، اس میں یہ چیزیں بھی ہوتی ہیں اور دوسری چیزیں بھی۔ ان میں سے بعض لفظی ہوتی ہیں اور بعض معنوی۔

قصہ کو موضوعی خارجی شاعری (Objective poetry) کہتے ہیں۔ اس میں داستان اور خارجی لوازم کا بیان ہوتا ہے۔ موضوعی شاعری (Objective) ہوتی ہے، اور غنائی شاعری، وارداتِ ذاتی کی تعبیر کا نام ہے۔ غنائی شاعری کو داخلی شاعری Subjective poetry بھی کہتے ہیں۔ تمثیلی شاعری ایسی موضوعی خارجی شاعری ہے جس میں داخلی واردات بھی شامل ہوتے ہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ داستان کا تعلق خارجیت سے ہے۔ ڈرامہ یا مثنوی کا تعلق ایسی

خارجیت سے ہے جس میں ذاتیت کا عنصر بھی داخل ہوتا ہے، داستان میں خارجیت ہوتی ہے، اور تمثیلی شاعری میں داخلی عنصر بھی ہوتا ہے۔

بعض علمائے فن نے ان تینوں قسموں پر دو قسموں کا اور اضافہ کیا ہے۔

۱۔ شعر تعلیمی :۔ Didactic یہ شاعری اخلاقی اقدار اور دینی فضائل کو پیش کرتی اور اخلاق و مذہب کی دعوت دیتی ہے۔

۲۔ شعر ہجائی : Satirical یہ شاعری رذائل کی مذمت اور سماجی معائب پر طنز کرتی ہے، لیکن ان دونوں قسموں کو غنائی شاعری میں داخل کیا جا سکتا ہے، کیونکہ یہ دونوں فرد کے شعور کی نمائندگی کرتی ہیں، اور فرد کے شعور سے مراد ہے (۱) جذبۂ خیر نیکی کا تصور) - (۲) شر یا برائی سے نفرت۔

رزمیہ شاعری میں شاعر تاریخی واقعات اور کسی قسم کے خرافات اور ان واقعات کو نظم کرتا ہے جو طویل جنگوں پر مشتمل ہوتے ہیں، ان کو رزمیہ کے طور پر گایا جاتا ہے۔ رزمیہ شاعری غالباً پہلے وجود میں آئی۔ کیونکہ انسان سب سے پہلے عاطفی مظاہر اور رزم کے واقعات کو منضبط کرتا ہے، پھر ایک زمانہ کے بعد اپنے نفس کی طرف توجہ دیتا ہے، اور اپنے جذبات کی ترجمانی غنائی شاعری کے ذریعہ کرتا ہے۔ جذبات کا مشاہدہ، تحلیل جذبات سے پہلے کی چیز ہے۔ مشاہدہ، قصصی شاعری کی بنیاد ہے، اور تحلیل جذبات غنائی شاعری ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قصصی شاعری سب سے قدیم ہے، قصصی شاعری، تاریخ کے ابتدائی دور میں صحرا نورد یونانیوں کا مشغلہ تھی، اور ان کا رزمیہ، بداوت کا فن عظیم تھا، یہ فن قوموں کی بہادری کے کارناموں سے شروع ہوا اور زمانہ کی رفتار کے ساتھ داستان کے مادہ نے بھی ترقی کی، شعرا اس صنف سخن میں طبع آزمائی کرتے رہے، جس سے اس کے ادب میں

اضافہ ہوتا رہا، اس طرح اس نے نشو و نما پائی، اردو میں اس کی مثال انیس و دبیر کے مراثی ہیں۔

اساطیری شاعری ایک قوم کے کارناموں کی تاریخ اور مختلف زمانوں کی کوشش کا ماحصل ہوتی ہے، کسی فرد واحد یا کسی عہد کی کوشش کا نتیجہ نہیں۔

قصص کا فن اپنے اصول کے لحاظ سے طبعی ہے۔ اس میں بناوٹ اور تصنع کو دخل نہیں یہ فن کہانیوں اور حکایات کی شکل میں ہوتا ہے، اس کے عناصر رزمیہ اشعار اور نظموں میں ملتے ہیں۔ اس میں فطرت کے احوال اور مقادیر کا پھیلاؤ مختلف طریقوں سے ہوتا ہے۔ طبعی حالات اور مشاعر حیات کو تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔ اور یہ سب چیزیں شعری جذبات کو ابھارتی اور ان میں وسعت پیدا کرتی ہیں۔

قصصی شاعری میں ہومر کی "ایلیڈ"، "مہابھارت"، فردوسی کا "شاہنامہ" اور اردو کے مراثی آتے ہیں، "مسدس حالی" اور حفیظ جالندھری کا "شاہنامۂ اسلام" اردو میں رزمیہ کی زندۂ جاوید مثالیں ہیں۔

اگرچہ اب ساحرانہ بہادری کا زمانہ اور اس کا طلسمی دور گزر گیا، اس لیے اس زمانہ کی رزمیہ اس قدر کامیاب نہیں ہوگی جس قدر ہومر اور فردوسی کے زمانہ میں تھی، لیکن دنیا ایسے لوگوں سے خالی نہیں ہے، جو بشری حالات کے مطالعہ اور اس کی سادہ اور جمیل فطرت کے کرشموں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ ان کے لیے ہمیشہ عہد قدیم کی داستان پارینہ میں دلکشی باقی رہے گی، اسی لیے "ایلیڈ" اور "شاہنامہ" اب بھی ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے اور ان کی فنی رونق اور جمال اب بھی قائم ہے۔

دور جدید میں رزمیہ کی جگہ وطنی گیتوں اور قومی نظموں نے لے لی ہے۔

غنائی شاعری نفس انسانی کے میلانات، جذبات اور خواہشات کی تصویر کشی کرتی ہے۔

اس میں انسانی زندگی کی مرقع کشی ہوتی ہے، اس لیے وہ سب سے مقبول صنف ہے، مختلف گروہوں میں، مختلف شکلوں میں رائج رہی ہے، اور نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی چلی آرہی ہے، غنائی شاعری شخصی جذبات کی تعبیر ہے، فرد اس کے ذریعہ اپنے رنج و الم میں تسکین پاتا ہے۔ وہ اس کے دکھوں اور آرزوؤں کی آواز ہوتی ہے اور ایسا موثر اور قوی وسیلۂ اظہار ہے جو دلوں پر اثر انداز ہوتا ہے، وہ مختلف الالوان، کثیر الاوزان اور قوی التاثیر ہوتی ہے، اوزان کا اختلاف شعر کی ندرت خیال اور فنونِ شعر کا تابع ہوتا ہے، جیسا موضوعِ شعر ہوگا، ویسا ہی وزن بحر اور شعر کا رنگ ہوگا۔

غنائی شاعری اس حیثیت سے تمام اصناف میں ممتاز ہے کہ وارداتی ہوتی ہے اور ہر عہد اور ہر جگہ عام طور سے پائی جاتی ہے، وہ شعری لحاظ سے نہایت پاک و صاف اور لطیف ترین صنف سخن ہے، اس کی بہت سی قسمیں ہیں، جیسے غزل، قصیدہ، رباعی اور قطعہ

تمثیلی شاعری ایک بلند اور دشوار ترین صنف سخن ہے۔ اس میں قصصی اور غنائی شاعری کی سب خوبیاں جمع ہوجاتی ہیں، الفاظ کی ترتیب اور واقعات کے اعتبار سے یہ قصصی شاعری سے مشابہت رکھتی ہے، تمثیلی شاعری کے عناصر یہ ہیں:۔

(۱) پلاٹ (۲) ترتیب و تسلسل (۳) افرادِ قصہ (۴) مقصد

دوسرے پہلو سے تمثیلی شاعری، غنائی شاعری سے مشابہت رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنا مقصد ڈرامائی کردار کے ذریعہ پورا کرتی ہے، تمثیلی روایت تاثیر میں قوی، فنیت میں بلند اور انسانی زندگی کے مختلف گوشوں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتی ہے،

تمثیلی شاعری کو ڈرامائی شاعری بھی کہتے ہیں۔ لیکن اردو میں ڈرامہ منظوم نہیں ہوتا، اسلیے اردو کی تمام مثنویات تمثیلی شاعری کے ذیل میں آتی ہے۔

مثنوی میں متضاد شخصیتوں اور متضاد اوصاف کا تخیل ہوتا ہے۔ شاعر ان تصورات کو ایک لڑی میں پرو کر منظوم کر دیتا ہے، مثنوی میں سب سے ضروری چیز واقعات کا تسلسل اور ترتیب ہے، ان کا ایک دوسرے سے مربوط ہونا ضروری ہے، مثنوی گو، اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ وہ اسلوب کی شائستگی اور ایجاز سے کام لیتا ہے، اصل واقعات کے مقابلہ میں ضمنی واقعات پر زور نہیں دیتا۔ اور تفصیلات کو چھوڑ دیتا ہے، تحلیل و تجزیہ کو بھی بعض جگہ ترک کر دیتا ہے، پھر ان واقعات کو نقل کرتا ہے، جو ادا کاروں کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں۔ افرادِ قصہ کا ذکر اس طرح ہوتا ہے کہ ان کی امتیازی خصوصیات پوری طرح سامنے آجاتی ہیں۔ محاکات اور منظر کشی تمثیلی شاعری کے اہم اجزا ہیں تمثیلی شاعری اور افسانہ کے اسلوب میں یہی فرق ہے کہ مثنوی میں قصہ کے افراد اداکاری کا رول ادا کرتے ہیں اور افسانہ میں افسانہ نگار کا اسلوب ہر چیز پر غالب رہتا ہے۔

مثنوی میں خارجی اور داخلی دونوں مضامین کا بیان ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے تمثیلی شاعری میں قصصی شاعری کی خارجیت اور غنائی شاعری کی داخلیت دونوں چیزیں شامل ہوتی ہیں اور وہ جذبات و واردات کا مجموعہ ہوتی ہے،

تمثیلی شعر اس لحاظ ممتاز ہے کہ وہ مکالمہ (Dialogue) کی عملی شکل اور ایسا میدان ہے جہاں مختلف شخصیات کی چلتی پھرتی تصویریں نظر آتی ہیں، اس میں مضمون کے تسلسل کی بڑی اہمیت ہے، تمثیلی شعر قصہ کی وحدت کا تابع ہوتا ہے، تمثیلی شاعری میں شاعر کے لیے وسیع تجربہ اور سماج کے ہر طبقہ کی زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ ضروری ہے، یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس نے مختلف طبقوں کے رسم و رواج اور طریقۂ زندگی کو سمجھنے کی کوشش کی ہو، اور اسکو زندگی کے مضمرات اسکی تمناؤں فطرت کے تقاضوں کا گہرا شعور ہو، عوام سے قریب ہو اور ان اخلاق و آداب کا مکمل ادراک رکھتا ہو، اور ان سب کے اظہار کے لیے زبان و بیان پر پورا عبور ہو۔

جغرافیا بطلیموس کے عربی تراجم

از جناب مولوی احمد خان صاحب ایم اے ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان

حال ہی میں ایک عربی کتاب "جغرافیا" بطلیموس مکتبۃ المثنی بغداد سے ادارہ تحقیقات اسلامی پاکستان میں آئی ہے، یہ کتاب اصل نسخہ کا عکس ہے، مگر اس پر کسی طابع و ناشر یا ایڈٹ کرنے والے کا نام نہیں ہے، کتاب کے ایک کنارے پر ایک تحریر تھی، اس کا عکس بھی آگیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو سلطان ترکی محمود خاں نے کسی نسخہ سے نقل کرا کے حرمین شریفین پر وقف کیا تھا، وہ تحریر یہ ہے:

وقف هذه النسخة الجليلة سلطاننا الاعظم والخاقان المعظم مالك البرين والبحرين، خادم الحرمين الشريفين السلطان ابن السلطان، السلطان الغازي محمود خان وقفاً صحيحاً شرعيا لمن طالع وتبعه واعتبر وتذكر اجزل الله تعالىٰ نواله واوفر، حرره الفقير احمد الشيخ زاده المفتش باوقاف الحرمين الشريفين غفر لهما۔

[اس جلیل القدر نسخہ کو سلطان اعظم و خاقان معظم مالک البرین والبحرین خادم الحرمین الشریفین سلطان ابن سلطان غازی محمود خان (دور: ۱۷۳۰ء - ۱۷۵۴ء) نے ان لوگوں کے لیے صحیح شرعی وقف کیا جو اسکا مطالعہ کریں اور اس سے استفادہ کریں۔ اجزل اللہ نوالہ واوفر۔ محررہ احمد الشیخ زادہ مفتش اوقاف الحرمین الشریفین۔]

غالباً اصل نسخہ جس کا یہ فوٹو ہے، مکتبہ شیخ الاسلام، مکۃ المکرمۃ میں محفوظ ہے۔

کتاب کے ٹائیٹل کی عبارت یہ ہے: "ترجمة كتاب بطليموس بالعربية فی تفصيل الاقاليم مع صورها المعروف بالجغرافيا"۔ اس کے پہلے دو صفحات پر دنیا کا ایک بہت بڑا جدید قسم کا نقشہ بنا ہوا ہے جو پروجیکٹ آف کلاپیکارڈن[1] کے مطابق ہے، یعنی اس میں ہمارے شمال کو جنوب اور جنوب کو شمال ظاہر کیا گیا ہے۔

یہ کتاب نو فصلوں پر مشتمل ہے، پہلی دو فصلیں زمین کے متعلق علوم اور اس کے حالات میں ہیں، باقی فصلوں میں کرۂ ارض کے ہر حصہ کے ملکوں، شہروں، پہاڑوں اور ان کے طول و عرض کے بارے میں نشانات ہیں، اور کہیں کہیں ان پر بحثیں بھی کی گئی ہیں، تقریباً دنیا کے تمام خطوں کا تذکرہ ہے، ان شہروں اور ملکوں کا بھی ذکر ہے جن کا پہلے وجود نہ تھا، اور اب چند صدیوں سے کرۂ ارض پر ظاہر ہوئے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کتاب کو "جغرافیا" بطلیموس سے کوئی تعلق نہیں، بطلیموس کے زمانہ میں ان نئے ملکوں کا وجود بھی نہ تھا اور نہ جدید قسم کے جغرافی معلومات اور عمدہ قسم کے نقشے موجود تھے۔ اس لیے یہ کتاب ایک معمہ بن گئی ہے اور جغرافیۂ بطلیموس کے علاوہ کسی دوسری کتاب کا ترجمہ معلوم ہوتی ہے، اس لیے اس مضمون میں یہ دکھانا ہے کہ بطلیموس کے جغرافیا کا ترجمہ کس دور میں ہوا، کن کن اشخاص نے کیا، وہ ترجمے کیسے تھے اور ان میں سے کوئی ترجمہ اب موجود بھی ہے یا نہیں؟

---

[1] زمین اور سمندروں کے نقشے مختلف اصول اور مختلف زاویوں سے بنائے جاتے ہیں، بعض میں سمندروں کے کناروں کو واضح کیا جاتا ہے، ایسے نقشوں کو اطلس بحری کہتے ہیں، بعض میں ۱۸۰ درجے سے خط استوا پر مرکز قائم کر کے کرہ کی تسطیح کیجاتی ہے، جسے پروجیکٹ آف مارکیٹر کہتے ہیں، اس نقشے میں شمال اوپر ہوتا ہے، اور آجکل یہی سب سے زیادہ رائج اور مانوس طریقہ ہے، لیکن اٹھارہویں صدی عیسوی سے قبل نقشے خط جدی کو سامنے رکھ کر بنائے جاتے تھے، ان نقشوں میں جنوب اوپر ہوتا تھا، اور جزائر خالدات سے طول بلد کا حساب کیا جاتا تھا۔ اسے پروجیکٹ آف کاپیکارڈن کہتے ہیں۔

شروع ہی سے اس کتاب کے بارے میں اختلاف رہا ہے، یہاں تک کہ اس کے نام پر بھی اتفاق نہیں ہو سکا، کسی نے اسے "صورۃ الارض"[1] کہا، جو اس کے یونانی نام کا لفظی ترجمہ کہا جاتا ہے، گو اصل نام کا صحیح (Exact) ترجمہ دلیل جغرافیا یعنی Guide To Geography تھا،[2] کسی نے اس کو "رسم الربع المعمور"[3]، کسی نے "کتاب جغرافیا فی المعمور و صفۃ الارض"[4]، کسی نے "کتاب الجغرافیا فی المعمورۃ من الارض"[5] کے نام سے موسوم کیا،

اسی طرح اس کے ترجمے کے زمانے میں بھی اختلاف رہا ہے، مشہور قول یہ ہے کہ مامون الرشید کے عہد میں ہوا[6]، ایک قول یہ بھی ہے کہ مامون کی وفات کے مابعد ۲۲۸ھ۔ ۲۳۲ھ کے درمیان ہوا، اس کا حامی مشہور مستشرق بارتھولڈ (Barthold) ہے[7]۔ بعض اور لوگوں نے بھی اس قول کی تائید کی ہے[8]۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اس کا ترجمہ مامون کے عہد ہی میں کئی بار ہو چکا تھا، اور کئی اشخاص نے کیا تھا،[9] اصل کتاب یونانی زبان میں تھی، اس کا سریانی میں بھی ترجمہ ہوا تھا،[10] اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ عربی ترجمے دونوں ہی زبانوں سے الگ الگ ہوئے ہوں۔

مسلمان فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد جب مختلف قوموں کے علوم کی طرف متوجہ ہوئے تو سب سے زیادہ توجہ یونانی کی جانب کی اور ان کے فلسفہ اور دیگر علوم کی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا،

---

۱ مقالہ "جغرافیہ" در Encyclopaedia of Islam (New edition) ۲ Encyclopaedia Britannica: Ptolemy ۳ اغناطیوس کراتشکوفسکی: تاریخ الادب الجغرافی العربی، ترجمہ از صلاح الدین ہاشم، ط قاہرہ: ۹۹ ۴ ابن الندیم: الفہرست ط قاہرہ: ۳۷۵ ۵ القفطی: اخبار الحکماء، ط قاہرہ: ۹

۶ حاجی خلیفہ: کشف الظنون ط استنبول: ۵۹۱ ۷ کراتشکوفسکی: ۹۹

۸ جیسے ایک جرمن مستشرق فرین (Frahn)۔ دیکھیے کراتشکوفسکی: ۹۹

۹ مقالہ "جغرافیہ" در Ency of Islam ۱۰ کراتشکوفسکی: ۹۹

روسی مستشرق کراتشکوفسکی کہتے ہیں کہ یونانی علوم کے مطالعہ کے نتیجہ میں عربی میں جغرافیہ کی چار کتابیں وجود میں آئیں

(۱) "خارطہ مامون": "یہ کتاب ایک یونانی ماہر ارضیات تادن کی "الجداول المبسطۃ" سے ملتی جلتی بلکہ یہ اس کی ترقی یافتہ شکل تھی۔

(۲) "کتاب الملحمۃ": اسے غلط طور پر بطلیموس کی طرف منسوب کیا جاتا رہا۔ دراصل یہ کچھ بطلیموس اور کچھ عربی عناصر کا مرکب تھی،

(۳) "صورۃ الارض": محمد بن موسیٰ الخوارزمی، یہ درحقیقت خارطہ مامون اور بطلیموس کے خارطات میں تطبیق تھی۔

(۴) "بطلیموس کے "جغرافیا" کا عربی ترجمہ از ثابت بن قرہ حرانی،[1]

یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ بطلیموس سے پہلے ایک شخص مارنیوس (Marinos) گزرا ہے، وہ ٹائرے (Tyre) کا باشندہ تھا، اس نے بھی ایک کتاب "جغرافیا" کے نام سے لکھی تھی،[2] دراصل یہی وہ اصل کتاب "جغرافیا" ہے جس سے بطلیموس نے خوشہ چینی کی ہے، یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت عمدہ تھی، مسعودی لکھتا ہے:

واحسن ما رأیت من ذلک	اس سلسلہ میں میں نے سب سے عمدہ چیز کتاب
فی کتاب جغرافیا لمارینوس[3]	جغرافیا مارنیوس میں پائی ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ بھی مامون کے عہد میں کیا گیا تھا،[4] اس ترجمے کو مسعودی نے اکثر استعمال کیا ہے[5]

---

۱ کراتشکوفسکی: ۸۹ ۲ مقالہ جغرافیہ در Ency. of Islam؛ Ency. Britannica: Ptolemy ۳ المسعودی: التنبیہ والاشراف ط یورپ: ۳۳ ۴ دیکھیے "جغرافیہ" در Ency. of Islam (حیرت ہے کہ Ency. Britannica میں بطلیموس پر مقالہ نگار مارنیوس کا تذکرہ کرتا ہے کہ ہمیں مارنیوس کے "جغرافیا" کا علم بطلیموس کی معرفت سے ہوا۔ درانحالیکہ وہ اصل کتاب مامون کے عہد میں موجود تھی، المسعودی بھی التنبیہ والاشراف میں ص ۳۳ پر اس کا تذکرہ کرتا ہے، ظاہر ہے اس وقت کے بعد سے یہ کتاب دست برد زمانہ کی نذر ہو گئی ہے، اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ صرف بطلیموس کی کتاب سے ہی علم ہوتا ہے۔) ۵ جغرافیہ در Ency. of Islam.

بطلیموس کا جغرافیا مارینوس کی کتاب کی ترقی یافتہ شکل ہے یا الگ مستقل کتاب ہے، اسکے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے، البتہ مسعودی نے التنبیہ والاشراف میں بتایا ہے کہ بطلیموس نے مارینوس کی کتاب جغرافیا سے اپنی کتاب میں استفادہ کیا ہے اور اسکی بعض باتوں کا انکار بھی کیا ہے[1]۔

مامون الرشید کے عہد میں اس قسم کی ایک اور کتاب بھی نظر آتی ہے، جو بالکل "جغرافیا" کے طرز پر وجود میں آئی ہے۔ مسعودی لکھتے ہیں :-

....والصورة المامونية التی	"الصورة المامونیۃ" جس کی تیاری میں
عملت للمامون اجتمع علی صنعتها	اس عہد کے بہت سے علما شریک تھے، اس میں
عدة من حكماء اهل عصره	اس عالم کے افلاک، نجوم، سمندر، خشکی و تر کا
صور فیها العالم بافلاکه ونجو مه	آباد و غیر آباد علاقے اور شہر و مدن سب
وبره وبحره وعامره وغامره	درج تھے، یہ کتاب بطلیموس اور مارینوس
ومساكن الامم والمدن وغير	دونوں کے جغرافیوں سے اچھی تھی۔
ذلك وهي احسن ما تقدمها	
من جغرافيا البطليموس وجغرافيا	
مارينوس وغيرهما[2]	

اب اس کتاب کا بھی کوئی علم نہیں،

اس تمہید کے بعد جغرافیا بطلیموس کے تراجم کی تحدید آسان ہو جاتی ہے جس انداز سے کراتشکووسکی نے جغرافیا کے ترجمہ کا ذکر کیا ہے اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ صرف ایک ہی

---

[1] المسعودی: التنبیہ والاشراف: ۱۲۷ [2] ایضاً: ۳۳

ترجمہ ثابت بن قرہ کا وجود میں آیا تھا۔ مگر قرائن بتاتے ہیں کہ دوسرے ترجموں کے مقابلہ میں اسکی شہرت اس کی خوبی کی بنا پر ہوئی، سب سے پہلے "جغرافیا" کے ترجمے کا آغاز ابو یوسف یعقوب بن اسحاق الکندی (متوفی ۲۵۶ھ) نے کیا تھا[1]۔ الکندی کو فیلسوف العرب کہا جاتا ہے، اس نے بطلیموس کی بہت سی کتابوں کے ترجمے عربی میں کیے۔ جن میں فلسفہ کی کتابیں زیادہ ہیں۔ اس نے "المجسطی" اور "جغرافیا" کا بھی ترجمہ کیا تھا، "جغرافیا" کے ترجمہ کے بارے میں قفطی "اخبار الحکماء" میں بطلیموس قلوذی کے حالات میں لکھتا ہے -

كتاب الجغرافيا فی المعمورة	کتاب الجغرافیہ فی المعمورۃ من
من الارض وهذا الكتاب	الارض کا کندی نے بہت عمدہ
نقله الكندی الی العربية	عربی ترجمہ کیا ہے-
نقلاً جیداً[2]	

کندی یونانی زبان اور اس کے علوم سے پوری طرح واقف تھا۔ ڈاکٹر ماکس مایرہوف لکھتے ہیں :-

ويعد مؤرخو كتب العرب	عرب مورخین ابو یوسف یعقوب بن اسحق
من بين كبار المترجمين ابا	الکندی فیلسوف العرب کو کبار
يوسف يعقوب بن اسحاق	مترجمین میں شمار کرتے ہیں، وہ اسکے
الكندی المسمی فيلسوف العرب	مستحق بھی تھا، جہاں تک ہم کو علم ہے
وكان حقا بحسب ما نعرف	وہ پہلا مسلمان ہے جو یونانی علوم کا
اول مسلم اتقن علوم اليونان	حیرت انگیز حد تک ماہر تھا،

الی حد مدهش[3]

---

[1] ابن الندیم: الفہرست ط قاہرہ: ۳۷۵؛ القفطی: اخبار الحکماء ط قاہرہ: ۶۹ [2] القفطی: ۶۹ [3] مترجم عبد الرحمن بدوی: التراث الیونانی فی الحضارۃ الاسلامیۃ ط قاہرہ: ۷۰ (اس کتاب میں مختلف مستشرقین کے اس موضوع سے متعلق مقالات جمع کر دیے گئے ہیں)

اس کے ترجمے کے بارے میں ابن ندیم کی رائے یہ ہے :۔

کتاب جغرافیا فی المعمور صفۃ الارض	کتاب جغرافیا فی المعمور وصفۃ الارض
ھذا الکتاب ثمان مقالات نقلہ	کا جو آٹھ مقالات پر مشتمل ہے، کندی نے
الکندی نقلاً ردیئاً [1]	نہایت خراب ترجمہ کیا ہے۔

اس کے ثبوت میں انھوں نے ایک عمدہ ترجمے کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

ثم نقلہ ثابت الی العربیۃ نقلاً جیداً [2]	ثابت بن قرہ نے اسکا ایک عمدہ ترجمہ کیا۔

قرائن سے ان کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک غلطی کا ازالہ بھی ہو جائے۔ مسعودی اپنی کتاب التنبیہ والاشراف میں لکھتا ہے کہ کندی کی ایسی ہی ایک اپنی کتاب بھی تھی،

وذھب قوم الی ان الموضع الذی	ایک گروہ کا خیال ہو کہ وہ علاقہ جس میں
لایمکن ان یکون فیہ عمارۃ عرضہ	آبادی ممکن نہیں وہ جنوب میں اکیس عرض بلد
فی الجنوب احد وعشرون جزء و خمس	اور پینتیس دقیقہ پر واقع ہے، اسی خیال کا
وثلاثون دقیقۃ والی ھذا ذھب	اظہار الکندی نے اپنی کتاب "فی رسم المعمور
یعقوب بن اسحق الکندی فی کتابہ	من الارض" میں کیا ہے۔
فی رسم المعمورۃ من الارض [3]	

مگر مسعودی کو دھوکہ ہوا ہے کہ کندی نے کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی، بلکہ وہ "جغرافیا" کا ترجمہ ہی تھا، جسے مسعودی نے کندی کی کتاب کہا ہے۔

دوسرا ترجمہ ثابت بن قرہ حرانی (متوفی سنہ ۲۸۸ھ) نے کیا تھا، صاحب الفہرست کی رائے ہے کہ

[1] ابن الندیم: محولۂ بالا [2] ایضاً [3] المسعودی: التنبیہ والاشراف : ۲۵

کندی کا ترجمہ اچھا نہ تھا، پھر ثابت نے ایک عمدہ ترجمہ کیا [1]، مگر ابن الندیم نے کندی اور ثابت بن قرہ کے حالات میں ان کے ترجموں کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ بطلیموس کے تحت انکا ذکر ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترجمہ بہت عمدہ تھا، اس لیے کراتشوفسکی نے صرف ان ہی کے ترجمے کا تذکرہ کیا ہے۔ [2]

ابن خرداذبہ (متوفی سنہ ۲۸۰ھ) نے بھی بطلیموس کے جغرافیا کا عربی زبان میں ترجمہ کیا ہے، [3] اور اپنی کتاب "المسالک والممالک" میں اس سے مدد بھی لی تھی، مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس نے یہ ترجمہ اصل یونانی سے کیا تھا یا سریانی سے۔ اپنی کتاب کے ابتدا میں لکھتا ہے :

وجدت بطلیموس قد ابان	بطلیموس نے اس (زمین) کی حدود واضح کی ہیں
الحدود واوضح الحجۃ فی صفتھا	اور بڑی وضاحت سے عجمی زبان میں اس کے اوصاف
بلغۃ اعجمیۃ فنقلتھا من لغتہ	بیان کیے ہیں، میں کے صحیح زبان میں ترجمہ کیا
باللغۃ الصحیحۃ [4]	(غالباً عربی میں)

اس عبارت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس نے کس زبان سے ترجمہ کیا تھا، قیاس سے ہم اس صحیح زبان کو عربی پر محمول کرتے ہیں۔

محمد بن موسیٰ الخوارزمی (متوفی بعد سنہ ۲۳۲ھ) کے ترجمے کو اگرچہ ترجمہ نہیں کہا جا سکتا، تاہم کچھ علماء نے اس کو بطلیموس کے جغرافیا کا ترجمہ ہی شمار کیا ہے، در اصل اس میں کتاب کے ترجمہ کے ساتھ ساتھ اس دور کی معلومات بھی داخل کر دی گئی ہیں، اس طرح اس ترجمہ نے ایک نئی شکل اختیار کر لی ہو، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں "جغرافیہ" کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ اس وقت جغرافیا بطلیموس کا جو حصہ ہمارے پاس موجود ہے وہ صرف خوارزمی کا مختار (Adaptation) ہے [5]، لیکن یہ

[1] ابن الندیم: محولۂ بالا [2] Ency of Islam در جغرافیہ [3] ابن خرداذبہ: المسالک والممالک، ط لیڈن : ۳ [4] Ency of Islam در جغرافیہ

ابھی تک معمہ ہے کہ خوارزمی نے یہ ترجمہ و اختیار یونانی زبان سے کیا تھا یا سریانی سے، کیونکہ جس زمانہ میں یونانی علوم عربوں تک پہنچے اس زمانہ میں انکی اکثر کتب سریانی میں ترجمہ ہو چکی تھیں۔

اطالوی مستشرق کارل نالینو کہتا ہے کہ خوارزمی کے ترجمے کو بطلیموس کے جغرافیا کا ترجمہ کہنا حقیقت کا منہ چڑانا ہے، در اصل یہ بطلیموس کے خارطات کی توضیحی و اضافی شکل ہے، چنانچہ کئی مقامات پر خوارزمی نے "جغرافیا" سے بالکل نہیں لیا ہے، بلکہ خود مواد جمع کیا ہے، جرمن مستشرق ہونغمان نے تو حتمی طور پر فیصلہ کر دیا ہے کہ خوارزمی کی "صورۃ الارض" در اصل خارطۃ المامون اور خارطہ بطلیموس کی تطبیق و امتزاج ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل حقیقت معلوم کرنے کے لیے خود خوارزمی کی کتاب "صورۃ الارض" کی طرف رجوع کیا جائے، اس کے ٹائٹیل کی تحریر اس طرح ہے

كتاب صورة الارض من المدن	یہ کتاب صورۃ الارض شہروں، پہاڑوں
والجبال والبحار والجزائر	سمندروں، جزیروں اور نہروں پر مشتمل
والانهار. استخرجه ابوجعفر	ہے، اسے ابو جعفر محمد بن موسیٰ الخوارزمی
محمد بن موسى الخوارزمي من	نے بطلیموس القلوذی کے
كتاب جغرافيا الذي الفه	"جغرافیا" سے لیا ہے۔
بطلميوس القلوذي	

اس تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ خوارزمی نے یہ کتاب "جغرافیا بطلیموس" سے اخذ کر کے مرتب کی ہے یعنی اس سے استفادہ کیا ہے، اس کا ترجمہ نہیں ہے، بدقسمتی سے اس کتاب کا مقدمہ آج تک

۱ کراتشکوفسکی: ۱۰۳ [illegible] C. Nellino: al-Khawarizmi (جیسا کہ کراتشکوفسکی نے اپنی کتاب تاریخ الادب الجغرافی العربی کے صفحہ ۱۰۳ پر بتایا ہے) ۳ Honigmann: Die Sieben Klimata: 156

نہیں مل سکا، ورنہ اس سے کچھ اور روشنی پڑتی۔ ہانس فون مزیک (Hans von Mzik) نے اس کو ایڈٹ اور ۱۹۲۶ء میں وی آنا میں طبع کیا ہے۔ کتاب غیر مربوط طور پر خط استوا پر واقع شہروں کے طول و عرض سے شروع کی گئی ہے، معلوم ہوتا ہے کتاب کا مقدمہ دست برد زمانہ کی نذر ہو گیا، ورنہ اس میں کتاب کے ترجمے یا اخذ کے بارے میں ضرور کچھ نہ کچھ ہوتا، کچھ لوگ اس کو محض جغرافیا بطلیموس کا ترجمہ خیال کرتے ہیں، حالانکہ اس میں ترجمے کی کوئی شکل موجود نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس زمانہ میں جب دو تہذیبیں آپس میں مل رہی تھیں، کتابوں کا امتزاج اخذ اور تطبیق ایک عام رواج تھا، خوارزمی کی یہ کتاب صورۃ الارض بھی اسی کا ایک نمونہ ہے۔

ان تراجم میں سے کوئی ترجمہ ابن حوقل (متوفی ۳۸۰ھ) نے بھی اپنی کتاب "صورۃ الارض" میں استعمال کیا ہے، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے "جغرافیہ" کے مقالہ نگار کا خیال ہے کہ ابن حوقل کے پیش نظر جو نسخہ تھا، اس میں اس کے زمانہ کی معلومات بھی داخل تھیں، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ ابن حوقل کو خوارزمی کا نسخہ ہی ملا تھا۔

مندرجہ بالا بحث سے پتہ چلتا ہے کہ بطلیموس کے "جغرافیا" کے کئی ترجمے ہوئے، پہلا کندی کا، دوسرا ثابت بن قرہ کا، تیسرا ابن خرداذبہ کا، چوتھا جو ترجمہ اور اضافوں پر مشتمل ہے خوارزمی نے کیا تھا۔ ان میں سے دوسرا ترجمہ سب سے زیادہ معتبر تھا، اور چوتھا ترجمہ تو ترجمہ ہی کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔

(۲)

اس وقت ہمارے پاس خوارزمی کا جغرافیہ جس میں بطلیموس کے ترجمے ہر اس دور کی معلومات کا بھی اضافہ ہے، موجود ہے۔ پہلے تین تراجم کا کہیں نشان نہیں ملتا ہے، حتیٰ کہ کشف الظنون

۱ جغرافیہ در Ency. of Islam، ابن حوقل: صورۃ الارض، طلیڈن: ۱۹۳۸ء ص ۱۳

(متوفی ۴۶-۱۰۶۵ء) کا یہ فیصلہ کہ لم یوجد الآن تعریبہ[1] صحیح معلوم ہوتا ہے۔

اس سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب "جغرافیا" کا عربی ترجمہ اس دنیا سے ناپید ہو چکا ہے تو یہ "جغرافیا" بطلیموس جو اب چھپ کر آیا ہے، کیا چیز ہے؟ اس "جغرافیا" کا مقابلہ خوارزمی کی "صورۃ الارض" سے کیا جائے تو بہت کم مماثلت نظر آتی ہے، اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کا کہنا ہے کہ بطلیموس کا جغرافیا صرف خوارزمی کے مختار (Adaptation) کی شکل میں موجود ہے[2]۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نئی مطبوعہ کتاب کے بارے میں صاحب مقالہ نگار کو کوئی علم نہیں تھا، ورنہ اس کا تذکرہ ضرور کرتا، غور طلب یہ مسئلہ ہے کہ بطلیموس کا جغرافیہ کس کا ترجمہ ہے اور کس زمانہ میں ہوا ہے؟

کتاب کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ مامون کے عہد سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ بہت بعد کی ہے، مقدمہ میں نہ مترجم کا نام ہے نہ ناقل کا اور نہ اس نسخہ کا جس کی یہ نقل ہے، صرف سلطان کی مدح ہے جس کے حکم سے اس کو نقل کیا گیا، خط تین چار سو سال سے زیادہ قدیم نہیں ہے۔

اس سے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ جب کسی شخص کو یہ یقین ہو گیا کہ جغرافیا بطلیموس کا اصل ترجمہ اس دنیا سے ناپید ہو چکا ہے تو اس نے اپنے دور کی کتب کو پیش نظر رکھکر خوارزمی کی طرز پر ایک نئی کتاب تیار کر دی، کیونکہ اس کتاب کی عبارت کسی طرح بھی اس کے قدیم ہونے کی تائید نہیں کرتی۔ مگر یہ بھی عقل باور نہیں کرتی کہ اس طرح کوئی کتاب وجود میں آئی ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نے خود ہی جغرافیا بطلیموس کو گوشۂ گمنامی میں ڈالدیا تھا، چنانچہ "جغرافیا" یورپ کی کسی قدیم زبان میں پندرھویں صدی سے قبل نظر نہیں آتا[3]۔ وہاں بھی ایک روایت کے مطابق اچانک اس طرح ظاہر ہوا کہ پطرس الآبی (Petrus de Alliace) نے

---

[1] یعنی اس کا ترجمہ اب نہیں ملتا، دیکھئے کشف الظنون: ۵۹۱ ؂ جغرافیہ در Ency of Islam
[3] کراتشوفسکی: ۸۸ ؛ Ency. Britannica: Ptolemy

۱۴۱۰ء میں اپنی کتاب "صورۃ العالم" میں بطلیموس کی المجسطی سے مدد لی، اس کے انداز سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کو اس وقت "جغرافیا" کا قطعاً علم نہیں تھا، مگر اس کے صرف تین سال بعد ایک کتاب "الجامع فی الجغرافیہ" (Compendium Geographiae) لکھی تو اس میں جغرافیا بطلیموس کا اختصار شامل کیا۔ اس اختصار کا لاطینی ترجمہ ۱۴۷۸ء میں چھپا[1]، مگر دوسری رائے کے مطابق جو انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں ہے، سب سے پہلے بطلیموس کا جغرافیا لاطینی ترجمہ کے ساتھ ۱۴۶۲ء میں مع چند نقشوں کے طبع ہوا، پھر سولھویں اور سترہویں صدی میں اس کے کئی اڈیشن نکلے، اور ایک یونانی نسخہ ۱۵۳۳ء میں منصۂ شہود پر آیا۔ ان کے بارے میں مقالہ نگار لکھتا ہے: All these editions, however, swarm with textual errs and are critically worthless.[2]

روسی مستشرق کراتشوفسکی نے لکھا ہے کہ جغرافیا بطلیموس کے دو ترجمے[3] از سر نو سلطان محمد فاتح (۱۴۵۱ء - ۱۴۸۱ء) کے دور حکومت میں یونانی سے عربی میں ہوئے۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے بتا آئے ہیں، یونانی نسخہ (جو غالباً کسی ترجمے کا یونانی ترجمہ ہے) ۱۵۳۳ء میں ظاہر ہوا[4]، مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مترجمین نے کس نسخہ سے اس کا ترجمہ کیا، یہ تو محال ہے کہ چھپے ہوئے یونانی نسخہ سے ترجمہ کیا ہو۔ البتہ کسی مخطوطے سے جو یونانی میں تھا، ترجمہ ممکن ہے، مگر اس نسخہ کے غلطیوں سے پاک ہونے کا یقین نہیں کیا جا سکتا، جبکہ اس سے دو سو برس بعد چھپنے والے نسخے میں اس قدر اغلاط ہیں کہ وہ بالکل بیکار (worthless) چیز بن گئی ہے۔

---

[1] کراتشوفسکی: ۸۷ - ۸۸ ؂[2] Ency. Britannica: Ptolemy
[3] کراتشوفسکی: ۸۸ ؂[4] Ency Britannica: Ptolemy

بہرحال عہد عثمانیہ کے وہ دونوں نام نہاد ترجمے ایک مصری یوسف کمال نے جو جغرافیہ کی کئی کتابوں کے ناشر کی حیثیت سے معروف ہیں، ۱۹۲۹ء میں بجنسہ تصویر لیکر چھاپ دیئے، غالباً جس کا ایک ترجمہ ہمارے ہاں بھی پہنچ گیا ہے،

یہ ترجمے بھی خواہ وہ یونانی سے ہوئے ہوں، اصل کتاب کے ترجمے نہیں ہیں، اسلیے کہ اس میں جو معلومات ہیں وہ بطلیموس کے عہد کی نہیں ہو سکتیں۔ اس ترجمے کا میں نے مطالعہ کیا ہے، اس کتاب میں اس کثرت سے نقشے ہیں کہ اس کی صحت پر یقین کرنا مشکل ہی، کیونکہ اصل کتاب میں صرف چند نقشوں کی نشاندہی کی گئی ہے، پھر ان نقشوں میں دی ہوئی معلومات بالکل جدید حالات پر مشتمل نقشوں میں اسقدر باریکیاں اس دور میں ناممکن تھیں، "صورۃ الارض" خوارزمی میں بھی چند نقشے دیے گئے ہیں، جو ان کے مقابلے میں بالکل ہیچ معلوم ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ادریسی (متوفی ۵۶۰ھ) کے نقشۂ[1] دنیا کا بھی اگر اس کتاب کے پہلے صفحے والے نقشے سے مقابلہ کیا جائے تو ادریسی کا نقشہ بالکل ابتدائی کوشش معلوم ہوگا حالانکہ یہ نقشے ادریسی سے صدیوں پہلے وجود میں آچکے تھے، اندرونی شواہد و قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس یونانی نسخہ سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے، وہ جغرافیے کی ایک نئی کتاب تھی جسمیں اس وقت تک جغرافیہ کے متعلق جو نئی معلومات حاصل ہوئی تھیں وہ سب اس میں درج تھیں، ممکن ہے "جغرافیا" کی مدد سے اس کو اسی انداز پر مرتب کرکے بطلیموس کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔ مذکورہ کتاب کے مترجم بھی اس سے مطمئن نہیں ہیں، مقدمہ میں لکھتے ہیں:

امر الی عبدہ المغروس	(بادشاہ نے) اپنے غلام کو جس کی نشو ونما
بایدی الجود والکرم لهذه	اسکی سخاوت وکرم کے ہاتھوں ہوئی

[1] کراتشوفسکی: ۸۸-۲ یہ نقشہ ایک مستشرق کونراد ملر نے ۱۹۳۱ء میں ایڈٹ کیا تھا۔ اسکے بعد المجمع العلمی العراقی سے بہجۃ الاثری نے کافی تصحیحات کے بعد ۱۹۵۱ء میں پھر چھاپا۔

الخدمة انه ینقل ونحوہ لکتاب	اس خدمت پر مامور فرمایا کہ وہ (مترجم)
المبین صورۃ الارض المعمورۃ	اس کتاب صورۃ الارض المعمورۃ کا جو
المعلومة المنسوب الی قدوۃ	بطلیموس کی طرف منسوب ہے، ترجمہ کرے
الحکماء الریاضیین ومصطح	بطلیموس علمائے ریاضیات اور ماہرین
الرؤساء الجغرافیین بطلماؤس	جغرافیہ کا استاد ہے، اسے رومیوں کی زبان
المسمی بلسان الرومیین تلوذیاؤس	میں تلوذیاؤس بھی کہتے ہیں۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مترجم کے سامنے اصل کتاب نہیں بلکہ کوئی منسوب نسخہ تھا، جو درحقیقت جغرافیے کی کوئی جدید کتاب تھی۔

اس بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ "جغرافیا" کے اس ترجمہ کو بھی اصل سے کوئی تعلق نہیں، اور بطلیموس کی کتاب "جغرافیا" کا کوئی صحیح عربی ترجمہ اس وقت غالباً دنیا میں موجود نہیں ہے، اور نہ صاحب کشف الظنون کے زمانہ میں تھا، اور ان کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ لم یوجد الآن ترجمة تعریبه"۔ اس لیے جو ترجمے بھی "جغرافیا" کے نام سے بطلیموس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں، انھیں اصل کتاب "جغرافیا" بطلیموس سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

فہرست مخطوطات ذخیرۂ شیرانی کی ترتیب

میں

ڈاکٹر بشیر حسین کی فروگذاشتیں

از جناب محمد اقبال صاحب مجددی لاہور

پاک و ہند کے نامور عالم اور کتابوں کے ممتاز مبصر حضرت حافظ محمود خاں شیرانی مرحوم و مغفور کے فراہم کردہ مخطوطات کی فہرست ادارۂ تحقیقات پاکستان نے اپنے "مجلۂ تحقیقات" جنوری و اپریل سنہ ۱۹۶۷ء میں شائع کر کے علمی دنیا پر ناقابلِ فراموش احسان کیا ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہ اہم ذمہ داری ایک ایسے شخص کو سونپی گئی جو تحقیق کی ابجد سے بھی واقف نہیں، جس کے نتیجے کے طور پر یہ فہرست اغلاط کا پلندا بن کر رہ گئی ہے، اس فہرست کی ترتیب کا کام صرف ڈاکٹر محمد بشیر حسین نے ہی نہیں کیا، بلکہ مولانا غلام رسول مہر، ڈاکٹر شیخ محمد اکرام، مرزا مقبول بیگ بدخشانی اور ڈاکٹر محمد باقر نے بھی اپنے مفید مشوروں سے نوازا ہے۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں:-

"(فہرست کے) مرتب کرنے کا کام ڈاکٹر محمد بشیر حسین ایم اے پی ایچ ڈی (تہران) کے سپرد کیا گیا جو پہلے اس ادارہ کے ریسرچ آفیسر تھے اور اب اورینٹل کالج لاہور میں لکچرر ہیں، ڈاکٹر بشیر حسین نے حتی الوسع صحیح اور معلومات افزا فہرست مرتب کرنے میں بڑی جانفشانی سے کام کیا، ضروری تفصیل کے لیے نہ صرف مخطوطات کا جستہ جستہ مطالعہ کیا، بلکہ برٹش میوزیم، انڈیا آفس اور دیگر دوسری لائبریریوں کی فہارس سے

معلومات حاصل کیں...... فہرست کی آخری ترتیب پر پروفیسر مرزا مقبول بیگ بدخشانی ریسرچ آفیسر اور مولانا غلام رسول مہر چیف ایڈیٹر ادارۂ تحقیقات پاکستان نے تنقیدی نظر ڈالی اور مفید مشورے دیے۔"

راقم الحروف نے جن اغلاط کی نشاندہی کی ہے، اس کے بغور مطالعہ سے قارئین پر واضح ہو جائیگا کہ محترم ڈاکٹر بشیر حسین نے اس فہرست کی ترتیب میں کہاں تک ذمہ داری کا احساس فرمایا اور کیا مصححین حضرات نے واقعی نیک نیتی سے تنقیدی نظر ڈالی۔ راقم نے اس قسط میں جن اغلاط کی نشاندہی کی ہے وہ تاریخ، تذکرہ اور سوانح کے ابواب سے متعلق ہے، باقی اغلاط آئندہ قسط میں پیش کیے جائیں گے۔

مخطوطہ نمبر ۱۶۹ - تاریخ احمدی (احوال سید احمد شہید سنہ ۱۲۴۶ھ)

آجتک حضرت سید احمد شہیدؒ پر جتنی مستند کتابیں شائع ہوئی ہیں (مع مہر صاحب) ان میں سید صاحب کی شہادت کی تاریخ ۲۴ ذی القعدہ مطابق ۶ مئی سنہ ۱۸۳۱ء مرقوم ہے لیکن ڈاکٹر صاحب نے صرف سنہ ۱۲۴۶ھ لکھا ہے، اس سے سنہ ۱۸۳۰ء سال برآمد ہوتا ہے، جو مرقومہ صدر سالِ شہادت کی موجودگی میں صریحاً غلط ہے، تعجب ہے کہ مہر صاحب جیسے اس تحریک کے مورخ نے اس سہو کو کس طرح نظر انداز کر دیا۔

مخطوطہ نمبر ۱۷۵ "تاریخ روضۂ تاج محل"۔

یہ ایک وضعی کتاب ہے، علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے محمود بنگلوری کی کتاب "تاج" میں اس پر تنقید کر کے اس کے جعل کو فاش کیا ہے، شاید فاضل محقق کو اس کا علم نہیں۔

مخطوطہ نمبر ۱۸۴ "تاریخ جواہر شاہی"

اس کتاب کا نام تذکرۃ الواقعات ہے، نہ کہ "تاریخ جواہر شاہی"۔ اگر مصنف (جوہر آفتابچی) کے نام کی نسبت سے بھی اس کا نام لکھا جاتا تو "تاریخ جوہر شاہی" ہونا چاہیے تھا، تعجب ہے کہ

ڈاکٹر صاحب نے اس کا نام جواہر شاہی کیونکر رکھ دیا۔

مخطوطہ نمبر ۱۹۶۔ "جنگ نامۂ بہادر شاہ و اعظم شاہ پسران اورنگ زیب"۔

اس کے قلمی نسخے بیر محمد شاہ" لائبریری احمد آباد اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جن سے ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب بے خبر ہیں۔

مخطوطہ نمبر ۲۰۴۔ "چہار گلشن از رائے چتر من"۔

سر جادو ناتھ سرکار نے چہار گلشن کا ملخص انگریزی ترجمہ اپنی کتاب India of Aurangzib. Printed. Calcutta 1901 میں مفید حواشی کے ساتھ شائع کر دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس سے واقفیت نہیں رکھتے۔

مخطوطہ نمبر ۲۶۸۔ "مرآۃ مسعودی"۔

فاضل فہرست مرتب اس کے متعلق لکھتے ہیں:

"احوال سلطان مسعود غزنوی متوفی ۴۳۲ھ و آمدن او بہ ہند"۔

لاحول ولاقوۃ! فارسی کے پی۔ ایچ۔ ڈی سے اس قسم کی فاش غلطی! تاریخ کے ایک معمولی طالب علم سے "مرآۃ مسعودی" کے متعلق دریافت کیا جائے تو وہ برجستہ جواب دیگا کہ کتاب تو مشہور بزرگ سید مسعود سالار غازی کے حالات پر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ "مرآۃ مسعودی" شیخ عبد الرحمن بن عبد الرسول چشتی متوفی ۱۰۹۴ھ کی تصنیف ہے جو بقول سٹوری ایک معاصر مورخ ملا محمد غزنوی (ملازم سلطان مسعود) کی تاریخ سے ماخوذ ہے۔[۱] فاضل محقق نے اس کی تائید میں ریو اور ایوانوف جیسے محققین کے حوالے بھی پیش کیے، مگر جب میں نے ان مولفین کے کیٹلاگ اٹھا کر دیکھے تو ان میں بھی "مرآۃ مسعودی" در احوال سید مسعود سالار غازی ہی مندرج ہے۔ معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب نے یہ حوالے کسی ساقط الاعتبار ماخذ سے نقل کر دیے ہیں۔

---

[۱] Persian Literature by C.A Story Vol I Part II P.1062

مخطوطہ نمبر ۳۰۴۔ "تاریخ رشیدی مرزا حیدر دغلت"

ڈاکٹر صاحب نے اس کا سال تالیف ۹۵۲ھ/۱۵۴۵ء لکھا ہے جو کسی طرح درست نہیں۔ ۹۵۱ھ/۱۵۴۴ء اور ۹۵۲ھ/۱۵۴۵ء میں دراصل "تاریخ رشیدی" کا پہلا حصہ کشمیر میں لکھا گیا اور باقی حصہ جس میں مصنف کے ذاتی حالات وغیرہ ہیں ۹۵۳ھ/۱۵۴۶ء میں تالیف ہوا۔[۱]

مخطوطہ نمبر ۳۱۸۔ "مخزن افغانی معروف بہ تاریخ خان جہانی لودھی"۔

ڈاکٹر صاحب نے مخزن افغانی کا ذکر تاریخ افغانستان کے تحت کیا ہے۔ حالانکہ اسکا افغانستان کی تاریخ سے دور کا بھی تعلق نہیں محقق موصوف نے "افغانی" کا لفظ دیکھکر اسے باب تاریخ افغانستان کے تحت درج کر دیا۔

مخطوطہ نمبر ۳۳۵۔ "احوال حضرت نوشہ از محمد حیات"

افسوس ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس گرانبہا کتاب کا تعارف بھی مخطوطہ دیکھے بغیر قلمی فہرست سے نقل کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا اصل نام "تذکرۂ نوشاہیہ" ہے۔ نہ کہ "احوال حضرت نوشہ" اور اس میں صرف حضرت نوشہ ہی کے حالات درج نہیں ہیں بلکہ ۱۱۴۶ھ (سال تالیف) تک کے نوشاہی بزرگوں کے تراجم بھی شامل ہیں۔ سید شریف احمد شرافت نوشاہی صاحب نے اس کے قلمی نسخے کا ذکر کیا ہے،[۲] ڈاکٹر صاحب نے اسے قطعاً نہیں دیکھا۔

مخطوطہ نمبر ۳۴۴۔ تحفۂ قادریہ از شاہ ابو المعالی لاہوری۔

فاضل محقق نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ "نسخۂ بے بدل و گرانبہاست" مگر حقیقت یہ ہے کہ اسکے بے شمار نسخے پاک و ہند کے کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ اسکے تین اردو ترجمے بھی لاہور سے شائع ہو چکے ہیں۔

(۱) سیرت الغوث مترجم محمد باقر مطبوعہ لاہور ۱۹۰۵ء (۲) کتاب تحفۃ القادریہ از محمد عبد الکریم لاہور ۱۹۰۶ء

---

[۱] ملاحظہ ہو انگریزی ترجمہ تاریخ رشیدی از E.D. Ross ص، و فہرست مخطوطات پنجاب یونیورسٹی، مرتبہ ڈاکٹر سید عبد اللہ جلد نمبر ۱ کراسہ نمبر ۱ ص ۴۴۳
[۲] از کار نوشاہیہ، ص ۶۰

(۳) تیسرا ترجمہ بھی لاہور ہی کا ۱۹۱۹ء کا مطبوعہ ہے[۱]، اس کے باوجود اسے "نسخہ بے بدل وگرانبہاست" لکھنا بے خبری کی دلیل ہے۔

مخطوطہ نمبر ۳۶۹۴ "تذکرۃ العلما، جونپور۔ از مولوی خیر الدین محمد الہ آبادی"

یہ تذکرہ پروفیسر محفوظ الحق کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ کلکتہ سے چھپ چکا ہے۔

مخطوطہ نمبر ۳۷۲ - "حدائق داؤدی یا حدیقۂ داؤدی"

فاضل محقق لکھتے ہیں کہ

"تذکرۂ صوفیا مشتمل بر مناقب و احوال شیخ داؤدی و اولیائے دیگر مولفہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی متوفی ۹۴۴ھ یا ۹۴۵ھ / ۱۵۳۷ء یا ۱۵۳۸ء۔ این تذکرہ در کتب ستوری وکتب مراجعۂ دیگر دیدہ نشد"۔

اس تحریر کا ایک لفظ بھی صحیح نہیں۔ راقم الحروف نے یہ مخطوطہ یونیورسٹی لائبریری سے نکلوا کر دیکھا، اس کے ورق ۲ر پر کتاب کا نام حدائق الاولیا، و حدائق داؤدی مرقوم ہے۔ مولف نے اپنا نام اس طرح درج کیا ہے:-

"...... نقر فقیر غلام عبدالقدوس بن شیخ محمد یوسف عثمانی اباً و نعمانی اماً و مذہباً"......

دیباچہ میں لکھا ہے کہ وہ شیخ داؤد گنگوہی کا دختر زادہ ہے، ایک اور جگہ مولف لکھتے ہیں:

"مولف این اوراق کہ دختر زادۂ آنحضرت (شیخ داؤد) ست[۲]"

اس کے باوجود ڈاکٹر صاحب نے اس کو بے تکلف شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی طرف منسوب کر دیا۔ مولف کے حالات مجھے سردست مطبوعہ تذکروں میں نہ مل سکے لیکن مولف کے ایک عزیز غلام علاء الدین نے ایک یادداشت قلم بند کی ہے، جو نہایت اہم ہے، وہ لکھتے ہیں:-

۱؎ Storey vol I. Part II ۲؎ حدائق داؤدی خطی ورق ۲۴۹

"بعد وصال حضرت جدی کہ مصنف این کتاب اند مسودہ در مناقب حضرت نظام الدین (تھانیسری) بخط خاص او شان بود غالب است کہ از یاد محو شدند...... فصل الکتاب می نمودند حالا بعینہ کتاب کون جزو است بنا برین فقیر حقیر غلام علاء الدین بعبارت بلادت می نگارند یافتن مسودہ ہا در ۱۱۹۷ھ کہ چہل و پنج سال بعد فوت مصنف منقضی کہ اتفاق افتادہ نیست[۱]......"

اس اقتباس سے مولف کا سال وفات بہ آسانی معلوم ہو سکتا ہے، یعنی مصنف کی وفات کے ۴۵ سال بعد ۱۱۹۷ھ میں مصنف کے ایک عزیز غلام علاء الدین کو حدائق داؤدی کے چند قلمی نسخے ملے، ۱۱۹۷ھ میں سے ۴۵ سال منہا کرنے کے بعد ۱۱۵۲ھ مصنف کا سال وفات متعین ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب غور فرمائیں کہ انھوں نے حدائق داؤدی شیخ عبدالقدوس گنگوہی متوفی ۹۴۵ھ کی طرف کیسے منسوب کر دی۔ اگر انھیں شیخ کا زمانہ معلوم ہوتا تو وہ کبھی اس غلطی کے مرتکب نہ ہوتے۔

حدائق داؤدی میں شیخ داؤد کا نسب نامہ اس طرح درج ہے:

"شیخ داؤد بن شیخ محمد صادق بن شیخ فتح اللہ بن شیخ عبدالصمد بن شیخ عبدالحمید بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی[۲]"

ڈاکٹر صاحب نے کتاب کے محتویات بھی نہایت درجہ غلط لکھے ہیں، در اصل یہ کتاب چار روضوں پر مشتمل ہے، روضۂ اول در حالات شیخ نظام الدین تھانیسری، روضۂ دوم شیخ ابوسعید، روضۂ سوم شیخ محمد صادق اور روضۂ چہارم شیخ داؤد گنگوہی، ڈاکٹر صاحب نے شیخ داؤد کا نام شیخ داؤدی درج کیا ہے، جو صریحاً غلط ہے۔ شیخ داؤد کا انتقال ۱۰۷۳ھ میں ہوا، ان کے حالات سے تذکرے مملو ہیں[۳]۔

۱؎ حدائق داؤدی ص ۳۹ (مخطوطہ اسقدر کرم خوردہ ہے کہ صحیح طور پر پڑھی نہ جاسکی) ۲؎ حدائق داؤدی ص ۱۷۰
۳؎ ملاحظہ ہو مرآۃ الاسرار؛ اقتباس الانوار از شیخ محمد اکرم البراسوی؛ فہرست الناظرین خطی نسخہ پنجاب یونیورسٹی

ڈاکٹر صاحب بڑے شد و مد سے لکھتے ہیں: "ذکر ایں تذکرہ در کتاب سٹوری و کتب مراجعہ و یگر دیدہ نشد"

سٹوری ڈاکٹر صاحب کے لیے حرف آخر ہے، ان کی مرتبہ فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جس کتاب کا ذکر سٹوری میں نہ ہو اس کا دنیا میں کہیں وجود نہیں، حالانکہ "حدائق داؤدی" کا قلمی نسخہ محترم صوفی شاہ بشیر احمد قدوسی کے پاس موجود ہے، جسے اعجاز الحق قدوسی صاحب نے روشناس کرا دیا ہے[1]۔

مخطوطہ نمبر ۳۸۴۔ "رسالہ در حالات مولوی نصیر الدین"۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے پھر یہاں "سید احمد شہید" متوفی سنہ ۱۲۴۶ھ / سنہ ۱۸۳۰ء لکھا ہے۔ اس سے قبل بھی ۱۵۹ ایک مخطوطہ نمبر ۱۶۹ کے تحت یہی سال شہادت درج فرما چکے ہیں، مولانا مہر صاحب سے سوال ہے کہ کیا انھوں نے واقعی اس فہرست پر آخری نظر ڈالی ہے۔ تو انھوں نے خود اپنی تصنیف سیرت سید احمد شہید میں سید صاحب کا سال شہادت کیا درج فرمایا ہے؟

مخطوطہ نمبر ۳۸۶۔ "رسالۂ ریشی نامۂ بابا نصیب کشمیری"۔

لاہور میں اس کے دو ایسے نسخے موجود ہیں جن سے ہمارے محترم بزرگ ناواقف ہیں،

(۱) نسخۂ پبلک لائبریری لاہور (ناقص الاول)

(۲) نسخۂ مخدومی مولوی شمس الدین مرحوم المتوفی ۸ر جنوری سنہ ۱۹۶۵ء۔ اس نسخے کا سال کتابت سنہ ۱۱۳۴ھ اور تعداد صفحات ۶۰، ہے۔ سٹوری نے جتنے نسخوں کا ذکر کیا ہے، یہ نسخہ ان سب سے اہم اور قدیم ہے، مگر ہمارے محققِ علام اس نادر نسخہ سے بھی بے خبر ہیں، وہ مولوی شمس الدین مرحوم کے نسخہ کو ذاتی نسخہ کہکر اس بے خبری پر پردہ نہیں ڈال سکتے، کیونکہ محترم حکیم محمد موسیٰ صاحب نے اپنے ایک مضمون "مورخین کشمیر" میں اس نسخے کی کیفیت شرح و بسط سے لکھی ہے[2]۔

---

[1] اعجاز الحق قدوسی: شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور انکی تعلیمات - راقم ملک احمد نواز صاحب ناظم کتبخانۂ دانش گاہ پنجاب کا شکر گذار ہو کر انکی مہربانی سے مجھے حدائق داؤدی کے نسخہ دیکھنے کا موقع ملا [2] مشمولہ ادبی دنیا لاہور کشمیر نمبر

مخطوطہ نمبر ۳۹۶۔ "سفینۂ بے خبر"۔

اس کے متعلق محققِ علام دعویٰ کرتے ہیں:-

"نسخۂ دیگری ازیں تذکرہ معلوم نیست"

حالانکہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں سفینۂ بے خبر کا ایک قلمی نسخہ (سال کتابت سنہ ۱۳۰۰ھ) موجود ہے، جس پر ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کا مضمون "فارسی کے چار نایاب تذکرے" شائع ہو چکا ہے[1]۔

مخطوطہ نمبر ۴۰۶۔ "ظواہر" (در حالاتِ شیخ سعدی لاہوری)

سٹوری نے اس کے صرف ایک نسخے کا ذکر کیا ہے، ڈاکٹر صاحب نے بھی اسی پر اکتفا کی، حالانکہ اس کا ایک نسخہ پشاور میں بھی موجود ہے، جس کا تعارف سید امیر علی شاہ صاحب نے اپنی کتاب "تذکرۂ مشائخ سرحد" میں کرایا ہے۔

مخطوطہ نمبر ۴۴۲۔ "رسالہ مرأۃ الولایۃ (در احوال شیخ عبدالجلیل) مؤلفہ عبدالرحمٰن چشتی متوفی سنہ ۱۰۹۴ھ، سال تالیف سنہ ۱۰۶۶ھ / سنہ ۱۶۵۶ء"۔

محقق کا دعویٰ ہے "نسخۂ نادر است کہ ذکرش در کتاب سٹوری ہم نیامدہ"۔ لیکن مولانا عبدالحیٔ صاحب نے نزہۃ الخواطر میں اس کا ذکر کیا ہے:-

"(ولہ) مراۃ الولایۃ فی اخبار الشیخ عبدالجلیل اللکھنوی واصحابہ واورادالجشتیۃ صنفہ سنۃ ۱۰۳۲ھ وعمرہ قارب مائۃ سنۃ"[2]۔

اس پر ڈاکٹر صاحب کی نظر نہیں گئی۔

مخطوطہ نمبر ۴۴۸۔ "معارج الولایۃ مولفہ غلام معین الدین عبید اللہ عبیدی خویشگی قصوری"۔

---

[1] ملاحظہ ہو معارف اعظم گڑھ جولائی سنہ ۱۹۵۶ء [2] نزہۃ الخواطر جلد ۵ ص ۲۱۳ مطبوعہ حیدرآباد۔

سٹوری نے چونکہ معارج الولایۃ کے متعلق لکھ دیا ہے

No. M.S. recorded

اس لیے ڈاکٹر صاحب نے بھی فتوی دیدیا "نسخۂ دیگری معلوم نیست"۔ حالانکہ اس کے قلمی نسخے پاک و ہند کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب "سلاطینِ دہلی کے مذہبی رجحانات" میں (جو پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے تاریخ کے نصاب میں شامل ہے) معارج الولایۃ کے ایک ذاتی قلمی نسخے کا ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ محترم محمد ایوب قادری صاحب نے بھی اپنی تالیفات میں جابجا اس کا ذکر کیا ہے، خود پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں (۸ ۲ ۸ ۵ آذر کلیکشن کے) میں اس کا ایک خوشخط اور مکمل نسخہ موجود ہے، جس کا سال کتابت ۱۱۱۱ھ اور تعداد اوراق ۶۵۶ ہے، فاضل محقق نے مؤلف کا نام "عبید اللہ" لکھا ہے، جو صریحاً غلط ہے، نسخۂ آذر میں عبد اللہ ہے، سٹوری نے بھی عبد اللہ ہی لکھا ہے، ڈاکٹر صاحب معارج الولایت کے سال تالیف کے باب میں خاموش ہیں۔ نسخۂ آذر میں مولف تاریخ تصنیف کے باب میں لکھتے ہیں:

"بروز چہار شنبہ بتاریخ بست و چہارم ماہ رجب المرجب در سنہ الف و اربع و تسعین[5]"

فاضل محقق کی نظر تو ان چیزوں پر نہیں جا سکتی لیکن ڈاکٹر شیخ محمد اکرام صاحب کی اس سہو سے چشم پوشی معنی خیز ہے۔

مخطوطہ نمبر ۴۳۰ - رسالہ معمولات مظہریہ

ڈاکٹر صاحب نے اس اہم کتاب کا سال تصنیف نہیں لکھا اور اس کے صرف ایک

[5] معارج الولایت خطی نسخۂ آذر ورق ۶۵۴ ب

فارسی نسخے کی اطلاع دی ہے، حالانکہ اس کا سال تالیف ۱۲۰۵ھ ہے[1]۔ اور اس کا فارسی متن دو مرتبہ مطبع نظامی کانپور سے شائع ہو چکا ہے۔ اول ۱۲۷۵ھ، دوم ۱۲۸۷ھ جس کا ذکر ڈاکٹر صاحب نے نہیں کیا ہے۔

مخطوطہ نمبر ۴۳۵ - رسالہ مونس الارواح تالیف شہزادی جہاں آرا بیگم۔

مسٹر سٹوری نے مونس الارواح کے جن نسخوں کا ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ اس کے چھ نہایت نادر نسخے دریافت ہو چکے ہیں، جن سے یقیناً ڈاکٹر صاحب بے خبر ہیں۔

(۱) نسخۂ مملوکہ دار المصنفین[2] (۲) نسخۂ کتب خانہ درگاہ اجمیر (۳) نسخۂ مملوکہ حکیم غلام رضا خاں دہلوی مکتوبہ ۲۱ رجب ۱۱۳۶ھ (۴) نسخۂ جامعہ پٹنہ (۵) نسخۂ لکھنؤ، بقول پروفیسر محمد ابراہیم یہ مصنفہ کا خود نوشت نسخہ ہے (۶) نسخۂ کراچی مملوکہ پروفیسر محمد ایوب قادری[3]۔

مخطوطہ نمبر ۵۶۵ - چنیسر نامہ؟

ڈاکٹر صاحب نے مخطوطہ کے نام کے بعد سوالیہ نشان لگا کر خود ہی ظاہر فرما دیا ہے کہ وہ اس کی حقیقت سے بالکل بے خبر ہیں، مگر ان کے استاد مکرم ڈاکٹر باقر نے اس پر اصلاح دی "بجائے چنیسر نامہ؟ بنویسند جنیسر نامہ"۔ جنیسر نامہ سندھی ادبی بورڈ سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اپنے ملک ہی میں شائع ہونے والی کتاب سے دونوں استاد و شاگرد بے خبر ہیں۔

[1] ملاحظہ ہو معمولات مظہریہ ص ۴۴، مطبوعہ کانپور طبع اول [2] معارف۔ یہ نسخہ شاہجہانی عہد ۱۰۶۵ھ ۲۸ سنہ جلوس میں اس دور کے نامور خطاط محمد عاقل حسینی کا لکھا ہوا ہے، پورا نسخہ مطلا و مذہب ہے اور دبیز وصلیوں پر لکھا ہوا ہے، قیاس ہے کہ شاہی کتب خانہ کے لیے لکھا گیا تھا، دار المصنفین کے کتب خانہ کے نوادر میں ہے۔

[3] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مجلہ علوم اسلامیہ علی گڑھ مقالہ محترم ڈاکٹر مختار الدین آرزو "شہزادی جہاں آرا کی موجودہ تحریریں" ۱۹۶۵ء

مخطوطہ نمبر ۴۳۵۔ دیوان حسن سنجری مصنفہ امیر نجم الدین حسن متوفی ۷۲۷ھ / ۱۳۲۷ء

قارئین اندازہ فرمائیں کہ ایک فارسی کے پی، ایچ، ڈی نے حسن سنجری (س۔ ن۔ ج۔ ر۔ ی) لکھا ہے، حالانکہ فارسی کا ایک معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ صحیح لفظ سجزی (س۔ ج۔ ز۔ ی) ہے۔ فاضل محقق نے امیر حسن کا سال وفات ۷۲۷ھ معلوم نہیں کس سند پر لکھدیا ہے، امیر حسن کے مطبوعہ دیوان پر ۷۳۸ھ درج ہے جو (مادۂ تاریخ "مخدوم الاولیاء) سے تحقیق کرکے لکھا گیا ہے، ڈاکٹر صاحب کے پاس سنین ہجری وعیسوی کے تقابل کی معلوم نہیں کونسی بازاری کتاب موجود ہے جس میں ۷۶۲ھ مطابق ۱۳۲۷ء لکھا ہوا ہے، حالانکہ ۷۲۷ھ سے عیسوی سال ۱۳۲۶ء ہوگا۔

مخطوطہ نمبر ۷۵۴/۷۔ رباعیات خیام :-

ڈاکٹر صاحب نے خیام کا مشہور عام روایت کے مطابق سال وفات ۵۱۷ھ/ ۱۱۲۳ء رقم فرمایا ہے مگر علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "خیام" میں نہایت مستند بیانات کی روشنی میں ۵۲۶ھ متعین کیا ہے[1]، فاضل محقق کو اس کا حوالہ ضرور دینا چاہئے تھا۔

مخطوطہ نمبر ۸۵۸۔ "قصیدہ منصوب بہ عین القضاۃ ہمدانی"۔

منصوب کے بجائے منعوب ہے۔ ممکن ہے کتابت کی غلطی ہو، اس لیے کہ فاضل مرتب سے اس کی امید نہیں کیجا سکتی۔

اس فہرست میں چند اور خامیاں بھی ہیں، نہ مخطوطات کے اوراق کی تعداد درج کی گئی ہے نہ تقطیع تحریر کی گئی ہے، نہ سطور کی تعداد درج کی گئی ہے، جس سے مخطوطات کے شائقین کو دقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ نیز ۱۹۰ صفحات کی فہرست کی قیمت دس روپئے بہت زیادہ ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو خیام مولفہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، ادبی دنیا نوروز نمبر "خیام کا سال وفات"۔

ادبیات

غزل

از جناب چندر پرکاش جوہر بجنوری

بایں شانِ بے نیازی بہ خلوصِ والہانہ
وہ نظر جہاں بھی اٹھی وہیں جھک گیا زمانہ

مجھے یاد بھی اگر ہو تو سنے گا کیا زمانہ
وہی حسن کی کہانی وہی عشق کا فسانہ

اُسے اپنی زندگی پہ ہے غرور و ناز کیا کیا
ترے دل سے ہو گیا ہو جسے ربطِ غائبانہ

بایں فکر و فہم و دانش بہ ایں عقل و علم و حکمت
ترے حسن کی حقیقت نہ سمجھ سکا زمانہ

یہی دل کہ دیکھتا ہوں جسے اب بجھا بجھا سا
یہی دل رہا ہے برسوں شبِ غم چراغِ خانہ

مرا عزم میری ہمت، مرا حوصلہ سلامت
نہ جلا سکے گی بجلی کبھی میرا آشیانہ

ترے غم سے بھی ہو نازک مرے شعر کی لطافت
نہ اٹھا سکے گا تو بھی مرا نازِ شاعرانہ

یہ چمن مرا چمن ہے مگر آہ اس چمن میں
مرے واسطے ہے جوہر نہ قفس نہ آشیانہ

غزل

جناب نیاز نگینوی

خدا نما بنکے وہ ہو رہتا جو ترک کرتا ہے خود نمائی
ہمیشہ عجز و نیاز ہی سے بشر نے دنیا میں کی خدائی

رہے جو ذہن و خیال باغی تو سر جھکانے سے فائدہ کیا
بغیر اخلاص بندگی کے فضول ہو سعی جبہ سائی

ہزاروں طوفان سے گذر کر ضرور ساحل پہ ہے پہنچتی
وہ کشتی بے سہارا جس کی خدا ہی کرتا ہے ناخدائی

ہوئے ہیں پتھر جگر بھی پانی یہ آکے پلکوں پہ جب بھی لرزے
نہ جانیں بے کس کے آنسوؤں نے یہ دلگدازی کہاں سے پائی

بتاؤ آوارگانِ الفت رہیں زمانے کے ساتھ کیسے
خرد کی خلقت میں حد پسندی جنوں کی فطرت [illegible]

ترقی صبر و رضا میں آئے دل فنا مقصد ہے عین مقصد
کہ حد منزل کو کھینچ لاتی ہے راہرو کی شکستہ پائی

نیازؔ یہ موت کی تمنا وفا کی توہین ہے سراسر
کر اک خدائے جمال الفت اور اس قدر غم سے بیوفائی

غزل

از جناب پروفیسر افتخار احمد صاحب فخرؔ دعولیا دی

مزاجِ حسنِ مجسم، ذرا جو برہم ہے
فسردہ گل ہیں، ستاروں میں، روشنی کم ہے

نظر نظر میں کہی، کچھ تو پرسشِ غم ہے
ہمارے حال پہ اتنا کرم بھی کیا کم ہے

دہانِ زخم پہ گر لطفِ ابن مریم ہے
نہ احتیاج مداوا، نہ فکر مرہم ہے

ترے ہی دم سے مری زندگی منور تھی
جو تو نہیں ہے چراغِ حیات مدھم ہے

ٹپک رہا ہے لہو، چشمِ غنچہ و گل سے
چمن میں کیا ہی بہاراں کا خیر مقدم ہے

اب اس مقامِ محبت پہ ہے جنوں میرا
جہاں خوشی کی خوشی ہے نہ غم کا کچھ غم ہے

وہ فخرؔ "خندۂ گل" ہو کہ گریۂ شبنم
مری نگاہ میں دونوں کا ایک عالم ہے

مطبوعات جدیدہ

تفسیر مظہری جلد پنجم و ششم ۔ مترجمہ مولانا سید عبدالدائم الجلالی، بڑی تقطیع، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ، صفحات بالترتیب ۵۵۲، ۴۶۴، پنجم بلا جلد قیمت [illegible] و ششم مجلد قیمت ۱۵ روپے ۔ پتہ ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔

ہندوستان میں تفسیر کی جو کتابیں عربی میں لکھی گئی ہیں ان میں بیہقیٔ ہند قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی مشہور تفسیر مظہری بڑی اہم اور قدیم مفسرین کی تفسیروں کی ہم پایہ سمجھی جاتی ہے، عرصہ ہوا اس کی بعض جلدوں کا متن اور فارسی ترجمہ شائع ہوا تھا، اب ندوۃ المصنفین کے اعزازی رفیق مولانا سید عبدالدائم جلالی اس کا اردو ترجمہ شائع کر رہے ہیں، زیر نظر حصے اس کی پانچویں اور چھٹی جلدیں ہیں۔ شروع کی چار جلدیں ہماری نظر سے نہیں گذریں، ان جلدوں میں علی الترتیب سورۂ انفال تا سورۂ یونس اور سورۂ ہود تا نحل کی تفسیریں ہیں، فاضل مترجم کو قرآنی اور تفسیری علوم کا خاص ذوق ہے، اس لیے انھوں نے تشریحی ترجمہ اور کہیں کہیں بعض مفید اور ضروری باتوں کا اضافہ بھی کیا ہے، اصل تفسیر ماثوری اور قدیم طرز کی ہے، لیکن مصنف علام نے بقدر ضرورت تاریخی، فقہی، کلامی، نحوی اور دوسرے علمی و فنی مباحث سے بھی تعرض کیا ہے، اور بعض بڑی مفید بحثیں کی ہیں، اس حیثیت سے اس کا مطالعہ مشہور اور متداول تفسیری کتابوں مثلاً بیضاوی و جلالین وغیرہ سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔ اس اہم تفسیر کے ترجمہ کی اشاعت ایک مفید علمی و دینی خدمت ہے، اللہ تعالیٰ مترجم و ناشر دونوں کو اس کا اجر عطا فرمائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور انکی فقہ - مرتبہ ڈاکٹر خلیفہ رضی صاحبہ، بڑی تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۲۷۶ مجلد مع گرد پوش قیمت مجلد ۴۵ ر، غیر مجلد ۴۰ ر
پتہ: ایضاً

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابیوں میں ہیں، انکو سبقت اسلام اور زہد وتدین ہی کے لحاظ سے نہیں بلکہ علم وفضل اور فقہ کے موسس و بانی کی حیثیت سے بھی امتیاز وشہرت حاصل ہے خصوصاً حنفی فقہ کا تو سارا دارومدار ہی ان کی فقہ پر ہے، ان کے علمی خدمات اور فقہی کارناموں کی تفصیل کے لیے ایک مستقل اور جامع کتاب کی ضرورت تھی، یہ کتاب بڑی حد تک اس ضرورت کو پورا کرتی ہے، یہ دراصل مسلم یونیورسٹی کی ایک لائق طالبہ کا وہ مقالہ ہے جس کو انھوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی رہنمائی اور نگرانی میں مرتب کیا ہے، مقالہ پانچ حصوں میں منقسم ہے، پہلے حضرت عبداللہؓ کے مفصل سوانح پھر ان کی علمی فضیلت وخدمات کا مبسوط تذکرہ ہے، تیسرا حصہ اُن کے خطبات واقوال پر مشتمل ہے، اس کے شروع میں خطبات کی بلاغت، اختصار اور جامعیت ومعنویت پر تبصرہ کیا گیا ہے، چوتھے حصہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں، ان کو نقل کرکے ان کا جواب دیا گیا ہے، پانچویں حصہ میں ان کے فقہ وفتاوی ہیں جو دوسری جلد میں آئیں گے، اس جلد میں اس کی تمہید درج ہے اس میں اجتہاد وقیاس کی ضرورت واہمیت دکھائی گئی ہے، لیکن اس حصہ کو دوسری جلد میں شامل کرنا زیادہ مناسب تھا، اس موضوع پر اردو میں اتنا لکھا جاچکا ہے کہ اتنی طویل تمہید کی ضرورت ہی نہ تھی کتاب میں کہیں کہیں اور بھی غیر ضروری تفصیل آگئی ہے، تیسرے حصہ میں روایات کے ضعف وسقم کے متعلق اور زیادہ چھان بین کی ضرورت تھی، اس حصہ میں مصنف کے بعض نتائج وتحقیقات میں اختلاف کی گنجائش ہے، اس سے قطع نظر یہ کتاب اردو میں بعض حیثیتوں سے اس موضوع پر پہلی کتاب ہے

اور بڑی تلاش وتحقیق سے لکھی گئی ہے، اور اس لحاظ سے اس کی قدر وقیمت اور بڑھ جاتی ہے کہ یہ ایک خاتون کی محنت کا نتیجہ ہے۔

لحن صریر - مرتبہ جناب عبدالعزیز خالد صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ صفحات ۱۶۴ مجلد مع گرد پوش، قیمت سے ر پتہ:- بک لینڈ ۱۲- محمد علی بلڈنگ بندر روڈ کراچی۱

جناب عبدالعزیز خالد پاکستان کے ایک نئے خوش فکر اور قادر الکلام شاعر ہیں، اس سے پہلے ان صفحات میں ان کے مجموعہ کلام "منحمنا" کا تعارف کرایا جاچکا ہے، یہ مجموعہ ان کی تین سوتیرہ (۳۱۳) رباعیوں پر مشتمل ہے، اور اس میں بھی پہلے مجموعہ کی طرح مصنف کا انوکھا طرز بیان اور منفرد اسلوب، فکر وخیال کی طرفگی اور لفظی ومعنوی خوبیاں موجود ہیں، ہر رباعی شاعر کی فکری پاکیزگی کا آئینہ اور دین ودانش اور اخلاق وموعظت سے معمور ہے، اور ان میں جابجا آیات واحادیث اور عربی امثال واقوال بھی بے ساختگی کے ساتھ آگئے ہیں۔ لیکن ان کی دقت پسندی اور غریب وناما نوس الفاظ کی کثرت استعمال نے کلام کی روانی وسلاست میں کمی پیدا کردی ہے۔

ہند میں زراعت جلد اول، دوم، سوم - مترجمہ جناب لیفٹیننٹ کرنل اے سی اگروال صاحب، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات بالترتیب ۲۲۲ - ۲۱۳ - ۲۲۰ مجلد مع گرد پوش، قیمت ہر سہ جلد ستے ر پتہ انڈین اکیڈمی ۲۹ر نریندرا پلیس، نئی دہلی۔

ہندوستان زراعتی ملک ہے، اور اس کی خوشحالی کا دارومدار زراعت کی ترقی، اسکے وسائل کی فراہمی اور ان کے مناسب استعمال پر منحصر ہے، پیش نظر کتاب میں زراعت اور اصول زراعت سے متعلق گوناگوں قسم کے نہایت مفید جدید سائنسی معلومات درج ہیں، یہ کتاب تین جلدوں میں ہے، اور اس کو ہندوستانی وامریکن مصنفین کی ایک ماہر زراعت جماعت نے اسکولوں کے نصاب

کے لیے مرتب کیا ہے، پہلی جلد میں زمین و زراعت کے متعلق عام معلومات، کھیتی باڑی کو مفید اور منفعت بخش بنانے کے اصولوں اور قومی حکومت کی بعض مفید زرعی و زمینی اصلاحات کا ذکر ہے، مثلاً استعمال آراضی، ایگریکلچرل سروسز، کوآپریٹو سوسائٹیوں، پودوں کی بناوٹ، نشو ونما کے عمل، زراعتی علم کیمیا، آب وہوا، موسم، زرعی مٹی، بیج، کھاد، آبپاشی وغیرہ

دوسری جلد میں ہندوستانی اجناس اور پیداوار، غلے، مسالے، پھلوں، ترکاریوں اور چائے وغیرہ کے باغات کی کاشت اور نگرانی کے طریقے، مویشیوں کے چارے، چراگاہوں، اور پودوں کی مختلف بیماریوں اور ان کے تدارک کی صورتیں بتائی گئی ہیں۔ آخری جلد میں کھیتی باڑی، باربرداری، سواری اور خوراک میں کام آنے والے جانوروں، مچھلیوں، شہد کی مکھیوں، ریشم کے کیڑوں، جنگلی جانوروں اور جنگلات وغیرہ کے متعلق دلچسپ معلومات ہیں، ہر باب کے آخر میں طلبہ کی سہولت کے لیے اس کا خلاصہ، مشقی سوالات اور جابجا نقشے اور شکلیں بھی دی گئی ہیں، جس سے نظری معلومات کے ساتھ اس کی عملی شکلیں بھی سامنے آجاتی ہیں، اور ہر جلد کے آخر میں سائنٹفک ناموں، ٹیکنیکل اصطلاحات اور الفاظ کا فرہنگ بھی دے دیا ہے، اصل کتاب انگریزی میں تھی، یہ اس کا اردو ترجمہ ہے، یہ اگرچہ نصابی تعلیم کے لیے لکھی گئی ہے، لیکن کسانوں کے لیے بھی بڑی کارآمد ہے۔

"ض"

جلد ۱۰۳ ماہ ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۶۹ء عدد ۲

مضامین

مقالات